علم اور اہلِ علم کی قدردانی کی طرف راغب کرنے والی کتاب

★ طلباء اور اساتذہ کے لئے یکساں مفید ★ ہر طالب علم کے لئے مخلص معلم

★ ہر صاحب ذوق کے لئے مشفق مربی ★ نئی نسل کو اپنے اکابر کا تعارف

★ اکابر و اسلاف کی صفاتِ حمیدہ حالات و واقعات کی روشنی میں

تقریظ
مولانا نور البشر صاحب مدظلہ العالی
استاذ الحدیث و رفیق شعبۂ تصنیف
جامعہ فاروقیہ

کلماتِ تبریک
مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن

تالیف
محمد ناصر درویش
فاضل جامعہ فاروقیہ

علم اور اہلِ علم کی قدردانی کی طرف راغب کرنے والی کتاب

طلباء کیلئے تربیتی واقعات

★ طلباء اور اساتذہ کے لئے یکساں مفید
★ ہر طالبِ علم کے لئے مخلص مُعلّم
★ ہر صاحبِ ذوق کے لئے مُشفق مُربّی
★ نئی نسل کو اپنے اکابر کا تعارف
★ اکابر و اسلاف کی صفاتِ حمیدہ حالات و واقعات کی روشنی میں

تقریظ
مولانا نور البشر
اُستاذ الحدیث و رفیق شعبۂ تصنیف
جامعہ فاروقیہ

کلماتِ تبریک
مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی
اُستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن

تالیف
محمد ناصر درویش
فاضل جامعہ فاروقیہ

G-30، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 2726509

—— ناشر ——

مکتبہ بیت العلم

G-29، گراؤنڈ فلور، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،

اردو بازار کراچی، فون: 2726509

کتاب کا نام .... طلباء کے لئے تربیتی واقعات

تاریخ اشاعت .... اگست ۲۰۰۵ء

کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

ملنے کے دیگر پتے

◎ مدرسہ بیت العلم، گلشن اقبال، کراچی
◎ دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
◎ ادارۃ القرآن، لسبیلہ چوک، کراچی
◎ صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک، کراچی
◎ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
◎ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
◎ بیت القرآن، اردو بازار، کراچی
◎ ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی
◎ قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ، کراچی
◎ مکتبۃ البخاری، صابری پارک، لیاری، کراچی
◎ مکتبۃ الحسن، اردو بازار، لاہور
◎ رحمن بک ہاؤس، اردو بازار، کراچی

طلباء کیلئے تربیتی واقعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ حتی الامکان ہم نے کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں سُقم وضُعف یا اغلاط نظر آئیں تو ازراہِ کرم ناشر کو ضرور مطّلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی باقی نہ رہے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ضرور بتائیں۔
اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کافی محنت ہوئی ہے امید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جزاکم اللہ خیراً

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب مکتبہ بیت العلم

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

تقریظ

باسمہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسّلام علیٰ سیّدنا محمد النبی الامّی الامین، وعلیٰ آلہٖ وصحابتہٖ وتابعیھم ومن تبعھم من الائمۃ المجتھدین والعلماء الربّانیّین۔

اما بعد: اللہ جل شانہ نے اہلِ ایمان میں سے خاص طور پر اہلِ علم کو دوسروں پر فضیلت دی ہے، کیوں نہ ہو! اللہ جل شانہ نے ملائکہ کرام پر حضرت آدم علیہ السلام کی فوقیت کا سکہ اسی علمی امتیاز کی بنا پر بٹھایا، پھر یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو چلا تو علم اور تحصیلِ علم کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آپ پر سب سے پہلی وحی قراءت و تعلیم بالقلم کی ہدایت پر مشتمل ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتعلم کے سلسلے کی جو ترغیب دی وہ حضرات اہلِ علم سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ آپ نے علم ہی کی اہمیت کی بنا پر حصر کے ساتھ فرما دیا:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"[۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب وتحریض ہی کا نتیجہ ہے کہ امت کے متقدمین نے آپ کی ان ہدایات کو سر آنکھوں پر رکھا اور علم کی طلب میں وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے، اس کی تحصیل میں وہ صحرا نوردی کی کہ آج ہزار سہولتوں کی فراوانی کے باوجود ایسی مشقتوں کے برداشت کرنے کا تصور تک نہیں ہوسکتا۔

پھر ان حضرات علماء کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ مجرد علم جو تعلّی وتکبر کا راستہ بتاتا ہے اس کے برعکس اہلِ علم وتقویٰ کو جن آداب واوصافِ حسنہ سے متصف ہونا چاہیے یہ حضرات سلف ان اوصاف سے علیٰ وجہ الکمال متصف تھے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر محض علم ہو اور اس کے ساتھ دوسرے اوصاف لازم نہ ہوں تو وہ بے دین ہوجاتا ہے۔

---

[۱] کنز العمال کتاب العلم: ۲۸۷۴۷/۱۰

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی ۔

فقیہا و صوفیا فکن لیس واحدًا فانی و حق اللہ ایاك انصح

فذلك قاس لم یذق قلبه تقی وھذا جھول و کیف ذوالجھل یصلح

ترجمہ: ''یعنی تم فقیہ اور صوفی بیک وقت دونوں ہی بنو مجھے بخدا تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے، وجہ یہ ہے کہ نرا صاحبِ علم سخت دل ہوتا ہے، اس کے دل کو تقویٰ کا ذائقہ نہیں ملا، اور نرا صوفی تو بالکل ہی جاہل ہے اور کبھی دیکھا کہ جاہل بھی کسی کام کا بنا ہے؟!''

عزیز گرامی مولوی محمد ناصر درویش سلمہ اللہ تعالیٰ نے زیرِ نظر کتاب مرتب فرما کر طلبہ برادری پر احسان فرمایا کہ ان کو مختلف اچھے واقعات کے ذیل میں نہایت ہی ہلکے پھلکے انداز میں علم اور اہلِ علم کی طرف متوجہ فرمایا، علم کے تقاضے بیان کیے، اہل علم کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے ان کا سادہ انداز سے ذکر کیا۔

یہ کتاب کیا ہے! طلبہ کے لئے ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس میں علم کی اہمیت، اس کی قدر افزائی، اس کے حصول کے راستہ میں محنت و مشقت، وقت کی قدر و قیمت اساتذہ کی خدمت، اساتذہ اور کتابوں کا ادب واحترام، اعمال صالحہ کی ترغیب، حقوق العباد کی اہمیت اور ترکِ معاصی و اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر سینکڑوں واقعات کو بہترین انداز میں مرتب کر کے پیش کیا گیا ہے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کو طلبہ کے لئے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لئے عموماً نافع بنائے۔

نیز اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو مزید ترقیات سے نوازے اور ان سے مفید سے مفید تر کام لے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین

وکتبہ نور البشر محمد نور الحق عفا اللہ عنہما

خادم تدریس وشعبۂ تصنیف، جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۱/۵/۱۴۲۶ھ یوم الاربعاء ۲۹/۶/۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تبریک

الحمد للہ ربّ العلمین، والصّلوۃ والسّلام علیٰ
سیّدالمرسلین وعلیٰ آله وصحبه أجمعین.

اما بعد! مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب کے حوالے سے مجھے ایک زیرِ تصحیح مطبوعہ مسودہ دیا گیا کہ میں اس پر اپنے کچھ تاثرات تحریر کردوں۔

میں انتہائی شوق کے باوجود اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا تاہم چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ قیمتی جواہرات کا مجموعہ ہے جس کے طلبہ اور اساتذہ دونوں محتاج ہیں، اس لئے کہ اس میں علماء، اتقیاء، بزرگانِ دین اور ائمہ سلف کی نصیحتیں اور اقوالِ زرّین موجود ہیں جو کہ اکثر و بیشتر مستند شیوخ اور معتمد کتابوں سے ماخوذ ہیں، ہر ایک مسلمان خصوصاً مدارسِ عربیہ کے طلبہ بلکہ اساتذہ کرام کے لئے بھی اس قسم کی اصلاحی وتربیتی کتابوں کی اشد ضرورت ہے، اس لئے کہ اخلاقی اور عملی تربیت کے بغیر علمی تربیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہماری کمزوریوں کی بنیادی وجہ بھی اخلاقی اور عملی تربیت کی کمی ہے۔ بندہ کی ناقص رائے کے مطابق اگر دورانِ درس اساتذہ کرام طلبہ کو ایسی مفید، جامع اور سہل کتابوں کی طرف متوجہ کریں اور ان کتابوں کے بعض اہم اقتباسات ان کو سنائیں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیں تو ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔

بہ ہرصورت کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت عمدہ اور کارآمد ہے، حکایات ونصائح کا اسلوبِ بیان انتہائی سہل بھی ہے اور دل چسپ بھی۔ موصوف کو

اللہ تعالیٰ نے جو شغف عطا فرمایا ہے اور جس نیک جذبے کے ساتھ انہوں نے یہ کام کیا ہے اس کے پیشِ نظر توقع ہے کہ موصوف نے اس میں موضوع کا حق ادا کیا ہوگا۔ کتاب کی سند اور تصدیق کے لئے جن شیوخ واکابر کا کتاب میں ذکر ہے بندہ بھی ان ہی پر اعتماد کرتا ہے، اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی کاوش کو قبول فرمائیں اور مؤلف کو اس تربیتی کام کو مزید آگے بڑھانے اور خوب سے خوب تر انداز میں کرنے کی ہمت عطا فرمائیں کہ ہر فن میں عمدہ اور مثالی کتابیں مرتب کریں۔ اور ان کاوشوں کو قبول ومقبول بنائیں۔ اور جن حضرات نے اس کام میں حصہ لیا انہیں شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

استاذ الحدیث محمد انور بدخشانی

جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ

مقدمہ

تمام تعریفیں اور خوبیاں اسی ذاتِ علیم کی شان کے مناسب ہیں جس نے لوح و قلم بنائے اور انسانوں کو قلم کے ذریعے وہ باتیں سکھلائیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔
ہمیشہ رحمتیں نازل ہوتی رہیں، اس ذاتِ اقدس پر جو نوعِ انسانی کی تعلیمِ ہدایت وتزکیہ نفوس کے لئے شفقت والے نبی بنا کر بھیجے گئے۔
اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماتے رہے ان نفوسِ قدسیہ کو جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سینے سے لگا کر تمام انسانوں تک پہنچانے کی سعی و جدوجہد فرمائی۔
حمد وثناء کے بعد: بلاشبہ یہ علم جس کے حاصل کرنے کی طرف ہمیں قرآن و حدیث سے رہ نمائی ملتی ہے ایک ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان کو اپنی حقیقت کا ادراک صحیح طور پر ہو جاتا ہے اور بلا مبالغہ جب علم کو اس کی کمیت و کیفیت کے ساتھ من وعن حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے آداب کی جب رعایت کی جاتی ہے تو علم کا ایسا نور ملتا ہے جو انسان کو اپنے خالق و مالک کی پہچان کرانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

ع کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

اور جاہل آدمی یہ نہیں کہ صرف معلوماتِ دینیہ و دنیویہ سے ناواقف ہوتا ہے بلکہ اپنی ذات سے ناآشنا، حتیٰ کہ اپنے خالق سے بھی اس لاعلمی کی بناء پر دور ہوتا چلا جاتا ہے۔
اس لئے ضروری ہے کہ اس علم کے حصول میں لگنے والے طلباء اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بنیں اور اس علم کے ذریعے سے اپنے معبودِ حقیقی کی مرضیات کو

معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہوں اور منہیات سے پرہیز کریں، نیز حصولِ علم کے لئے جن آداب کا اہتمام کرنا ناگزیر ہے ان سے پہلوتہی اختیار نہ کریں مثلاً:

(۱) علم کے حاصل کرنے کا مقصد (۲) اس کے حصول کے لئے محنت اور لگن (۳) وقت کی اہمیت (۴) آلاتِ علم کا احترام (۵) اساتذہ کی عظمت (۶) اچھے اخلاق (۷) ساتھیوں کے حقوق (۸) والدین کی قدر (۹) نیک اعمال کا شوق (۱۰) برے اعمال سے نفرت (۱۱) فکرِ آخرت (۱۲) اور علم حاصل کرنے کے بعد ساری دنیا کے انسانوں تک اس دین کے علم کو پہنچانے کی فکر۔

ان سب آداب کی رعایت اور ان پر عمل کا اہتمام ہر طالبِ علم کے لئے ضروری ہے۔

پیشِ نظر کتاب میں اسلاف کے حالات و واقعات اور نصائح کو ذکر کر کے ان ہی آداب کی طرف رہ نمائی کی گئی ہے، کیونکہ حالات و واقعات کو انسانی زندگی کی تعمیر وتسدید میں جو اہمیت حاصل ہے وہ روزِ روشن کی طرح ہر عاقل پر عیاں ہے۔

یہ آدابِ عالیہ و فاضلہ جو اسلاف کی میراث ہیں جس طالبِ علم میں بھی پائے جائیں گے وہ طالبِ علم ان شاء اللہ اپنے ہم عصر ساتھیوں اور دین دار طبقے کی نظر میں اتنا ہی قیمتی ہوگا جتنا کہ خود علم، اور اس طالبِ علم کو ان آداب کی رعایت کرنے کی بناء پر علم کا نور بھی حاصل ہوگا اور معرفت کا نور بھی جو کہ عین مقصود ہے۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر مؤلف، جملہ معاونین اور تمام دینی وعصری طلباء کی دنیوی زندگی بننے اور آخرت میں نجات ملنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے۔

آمین

محمد ناصر درویش

① علم کی اہمیت اور اخلاص

انسان کے لئے ایمان کے بعد تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت علم کی نعمت ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں ہو سکتی، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے سرفراز کیا اور اس نعمت کے حصول کے لئے قبول فرمایا، اسے چاہیے کہ ہر نماز کے بعد اور سونے سے پہلے کم از کم دس منٹ اس نعمت کے شکریہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اس کی قبولیت اور نافعِ دُنیا و دین ہونے کے لئے تہہِ دل سے دُعا کرے، ان شاء اللہ بہت ترقی ہوگی اور پڑھنے میں خدمتِ دین اور رضائے الٰہی کی نیت رکھے اور عزت و جاہِ دُنیوی کی نیت ہرگز نہ کرے، اچھی نیت سے پڑھے گا تو حالتِ طالبِ علمی میں اگر مر جائے گا تو شہید ہوگا اور قیامت میں علماء کے ساتھ اُٹھایا جائے گا، دن رات جو محنت کی، دماغ وغیرہ خرچ کیا ہے اور پڑھا ہے سب ان شاء اللہ نامہ اعمال میں دیکھے گا، اور اگر نیت خدمتِ دین اور رضائے الٰہی نہیں تو ان سب خیر کی باتوں سے محروم رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

محمد غزالی کو ان کی بیوہ ماں نے صرف اس لئے مدرسہ نظامیہ بغداد میں داخل کرایا تھا کہ ان کی پرورش ہو جائے گی، مگر بعد میں محمد غزالی "حجۃ الاسلام" بنے۔

ایک مرتبہ سنجر کے وزیر اعظم مدرسہ نظامیہ کے دورے پر آئے ہوئے تھے، وزیر اعظم نے مدرسہ کے طلباء کا امتحان لیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ علمِ دین حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟

ہر ایک نے کہا کہ میں فلاں عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، آخر کار دل برداشتہ ہو

کر اس نے سوچا کہ مدرسہ بند کر دے، ذرا آگے چلا تو امام غزالی جو اس وقت طالبِ علم تھے مطالعہ کرتے ہوئے نظر آئے، ان سے تعلیم کا مقصد پوچھا تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ہم نے عقل سے پہچانا کہ ہم کو ایک پیدا کرنے والا ہے اور عقل سے ہی یہ پہچانا کہ ایسی ہستی کا احسان مند ہو کر اس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے اور اطاعت کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی ہے، لہٰذا ہمارے تحصیلِ علم کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی پسندیدہ اشیاء پر عمل کریں، اور ناپسندیدہ اعمال سے پرہیز کریں۔[1]"

فائدہ: دین کے دو شعبے ہیں: ایک علم، دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے، ایسے ہی حصولِ علم میں بھی اخلاص ضروری ہے، جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں بھی اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا، اوّل حصولِ علم میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے۔

نیت یہ کرنی چاہیے کہ علم حاصل کر کے ہم احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں گے اور لوگوں کو نیک اعمال کی دعوت دیں گے۔[2]

علم کی قدردانی

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قاضی شریک رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۷۹ھ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس خلیفہ مہدی کا بیٹا آیا اور ٹیک لگا کر ان سے حدیث پوچھی، آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اس نے دوبارہ پوچھا، آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہیں کی، لڑکے نے کہا:

آپ خلفاء کی اولاد کی توہین کرتے ہیں؟

---

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۵۹۳

[2] تحفۃ العلماء: ۱/۱۵۶

آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ میں علم کی ناقدری نہیں کرتا، اس کا احترام کرتا ہوں۔ شہزادہ سمجھ دار تھا سمجھ گیا اور گھٹنے ٹیک کر حدیث دریافت کی۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"هٰكَذَا يُطْلَبُ الْعِلْمُ" ہاں، اس طرح علم حاصل کیا جاتا ہے۔[1]

فائدہ: سلاطینِ اسلام کے دل میں علم وفضل کی کیا منزلت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک مرتبہ ثابت بن ترہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خلیفہ معتضد اپنے باغ میں چہل قدمی میں مصروف تھا کہ ایک دم سے اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، جب ثابت نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟

تو خلیفہ نے جواب دیا کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا، حالانکہ عالم کا ہاتھ سب سے اوپر ہونا چاہیے۔[2]

دُنیاوی کام اور دینی کام میں فرق

دارالعلوم دیوبند کے ایک انتہائی ممتاز مدرّس جو حضرت شیخ الہند علامہ محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد بھی تھے، ان کو کسی کالج کی طرف سے اچھی تنخواہ پر مدرّسی کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا اور کہا کہ:

"حضرت! ہم یہاں دارالعلوم میں آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے پڑھاتے ہیں، باقی وقت مطالعہ میں گزر جاتا ہے، تصنیف وتالیف یا وعظ وخطابت کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ کالج میں تدریس کا وقت بہت کم ہوگا اور باقی فارغ وقت میں تصنیف وتالیف اور دوسری دینی خدمات کا زیادہ موقع ملے گا۔ اس لئے

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۲۲۱

[2] مجالس مفتی اعظم ص ۵۹۶

ارادہ ہو رہا ہے کہ اس پیش کش کو قبول کرلوں۔‘‘

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رائے کی مخالفت کی اور فرمایا:

’’مولوی صاحب! مجھے امید نہیں ہے کہ وہاں جا کر آپ اتنی دینی خدمات بھی فارغ اوقات میں انجام دے سکیں، جتنی یہاں ہو جاتی ہیں۔‘‘

لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ زیادہ فرصت اور فراغت کے باوجود کام زیادہ کیوں نہ ہو سکے گا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے تو نہ تھی لیکن ان کی شدید خواہش دیکھ کر اجازت دے دی اور وہ کالج میں چلے گئے۔ تقریباً ایک سال بعد چھٹیوں میں وہ دیوبند آئے اور حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے سلام اور خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا۔

’’کیوں مولوی صاحب! اس عرصے میں آپ نے کتنی تصنیف کی، کتنے فتوے لکھے اور کتنے وعظ کہے؟‘‘

یہ سوال سن کر وہ صاحب رو پڑے اور کہا کہ ’’حضرت حساب وکتاب کے نقطہ نظر سے تو آپ کی بات سمجھ میں نہ آئی تھی، لیکن تجربے سے سمجھ میں آگئی۔

واقعہ یہ ہے جتنا کام دار العلوم میں فرصت نہ ہونے کے باوجود ہو جاتا تھا یہاں فرصت کے باوجود اتنا بھی نہ ہوا[1]۔‘‘

فائدہ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مدارسِ اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجے بہتر ہے، اس لئے کہ اگرچہ لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو، لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے اور مسجد میں جھاڑو لگانا اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس سے ایمان متزلزل اور اللہ و رسول، صحابہ و بزرگانِ دین کی شان میں بے ادبی ہو، جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے۔

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ص ۲۶

ہاں، جس کو دین کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کرے۔[1]

علم کی برکت

ہشیم بن بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ اصل میں بخارا کے تھے، لیکن بغداد میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ ان کے والد بشیر باورچی تھے، کھانا پکانا پیشہ تھا۔ ہشیم کو بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا، انہیں اپنے آبائی پیشہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، جب کہ ان کے گھر والوں کو ان کا پڑھنا پسند نہیں تھا، وہ گھر والوں کے نہ چاہنے کے باوجود پڑھتے رہے۔ بغداد میں قاضی ابوشیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا درسِ حدیث مشہور تھا، یہ اس میں پابندی سے جانے لگے۔ پابندی سے پڑھنے والا طالبِ علم استاذ کی نظروں میں آجاتا ہے۔

ایک مرتبہ ہشیم بیمار ہوئے اور درس میں نہیں آئے۔

قاضی ابوشیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا پوچھا، کسی نے کہا بیمار ہے، فرمایا: ”چلیے، ہم ان کی عیادت کر آتے ہیں“ عیادت کے لئے جانے لگے تو اہلِ مجلس اور شاگرد بھی ساتھ ہوگئے۔ سب نے بشیر باورچی کے گھر جاکر ان کے بیٹے ہشیم کی عیادت کی۔ قاضی کے واپس جانے کے بعد بشیر باورچی ان سے کہنے لگے:

”بیٹے! تمہیں علمِ حدیث حاصل کرنے سے روکتا تھا، لیکن اب نہیں روکوں گا، یہ اس علم ہی کی برکت ہے کہ قاضی آج میرے دروازے پر آیا، ورنہ مجھے اس کی کہاں امید تھی![2]“

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اے کمیل (یہ حضرت علی کے شاگرد اور غلام ہیں) علم بہتر ہے مال سے۔ علم

---

[1] تحفۃ العلماء: ۱/۶۹

[2] تاریخ بغداد: ۱۴/۵۷

آپ کا محافظ ہے اور مال کی آپ کو حفاظت کرنی پڑتی ہے، علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے، مال کو خرچ کرنا مال کو کم کرتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔[1]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم رہنما ہے، دلوں کی زندگی ہے، آنکھوں کا نور ہے، علم ایسا فیصل ہے جو شک اور یقین، سرکشی اور راستگی، ہدایت اور گمراہی کے درمیان تمیز کردے، اس کا خرچ کرنا صدقہ ہے اور اس کی تعلیم دینا دن کے روزوں اور راتوں کے قیام کے برابر ہے، اور اس علم کی طرف احتیاج کھانے پینے سے بہت زیادہ ہے۔[2]

اخلاص کا بے مثال واقعہ

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ جب کانپور میں مدرّس تھے، انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہلِ علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علماء دیوبند کی توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی، اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی سمجھ نہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت جوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دست رس رکھتے ہیں۔

چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شروع ہوئی۔

---

[1] احیاء العلوم الدین: ۱/۱۷، ۱۸

[2] مدارج السالکین: ۲/۴۶۹، ۴۷۰

حسنِ اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیرِ بحث آ گیا، اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے، جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا، تو وہ علماء تشریف لائے جن کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا، لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان علماء کو دیکھا، تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ موجود تھے، انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

"حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا آپ بیٹھ کیوں گئے؟"

شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ "ہاں، دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔"

مطلب یہ تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی تھی، لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی، اس لئے اسے روک دیا۔[1]

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میرے ساتھی اس بات پر گفتگو کر رہے تھے کہ حصولِ علم کے بعد کیا کرو گے اور اس تحصیل سے ان کا مقصد کیا ہے۔ بعض نے بناوٹ کے طور پر کہا کہ ہمارا مقصد تو معرفتِ الٰہی ہے، بعض نے سادگی کے ساتھ صاف کہہ دیا ہمارا مقصد تو دُنیا طلبی ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا بتاؤ، تم کیا کرو گے؟

میں نے کہا: میں بالکل نہیں جانتا کہ تحصیلِ علم سے اللہ کی معرفت حاصل ہو یا

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ص ۲۰

کھیل کود کے اسباب۔ ہاں اس وقت مجھ پر یہ شوق غالب ہے، کہ معلوم کروں کہ اتنے عقلاء اور علماء جو گزرے ہیں وہ کیا کہتے ہیں اور معلومات کی حقیقت واضح کرنے میں کس قدر موتی پروئے ہیں اور علم کے حاصل کرنے کے بعد ان کی کیا حالت ہوگئی، یعنی خواہشِ نفس پوری کرنے میں لگ گئے یا محبتِ مولیٰ میں لگے، دُنیا کے حصول کو مقصد بنایا یا آخرت کے طالب ہوئے۔[1]

امام ابنِ جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحصیلِ علم

امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ زور سے ہنسا ہوں، مجھے یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، سات سال کی ابھی عمر تھی کہ میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درسِ حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث کی، سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، گھر آکر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف نکل جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا، میں اساتذہ اور شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی، صبح اور شام اس طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا۔[2]"

فائدہ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے طلباء سے فرمایا:

---

[1] بڑوں کا بچپن: ص ۲۲

[2] لفتة الكبد في نصيحة الولد: ص ۸۱

"طلبِ علم نام ہے ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس کا۔ میرے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: کہ طالبِ علم کی تعریف یہ ہے کہ جس کے دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، علم بڑی محنت اور طلب چاہتا ہے اور بڑی بے نیاز چیز ہے، محنت اور طلب کے بغیر آدمی کو وہ اپنا کوئی ذرہ بھی نہیں دیتا۔[1]"

[1] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۳۰۰

۲ علم کا ذوق اور اُس کے حصول کیلئے محنت

طالبِ علم کو ہمیشہ علم کا ذوق وشوق ہونا چاہیئے، اسی طرح طالبِ علم کے لئے محنت، مداومت اور ہمت بھی بہت ضروری ہے، جو کوئی کسی چیز کو محنت سے طلب کرتا ہے تو پا ہی لیتا ہے اور آدمی اپنی کوشش کے بقدر ہی اپنی تمناؤں کو پاتا ہے۔ طالبِ علم کے لئے راتوں کو جاگنا بھی ضروری ہے، جو شخص رات کو اپنے نفس کو جگاتا ہے تو اس کا قلب دن میں فرحت محسوس کرتا ہے۔ تکرار اور مطالعہ کے لئے شروع اور آخر شب میں بھی مواظبت کرے کیونکہ مغرب وعشاء کا وقت اور آخری حصہ شب کا مبارک وقت ہے، طالبِ علم کو ہمت بلند رکھنی چاہیئے۔

شب بیداری

ایک مرتبہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رات کو ٹھہرے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تو رات بھر نفلیں پڑھتے رہے، آپ ساری رات لیٹے رہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بڑی اچنبھی معلوم ہوئی، نمازِ فجر میں وضو کے لئے پانی لایا گیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے وضو کے بغیر نماز پڑھی، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو مزید تعجب ہوا، پوچھنے پر فرمایا کہ:

"آپ نے تو ذاتی نفع کے پیشِ نظر رات بھر عبادت کی، تاہم میں پوری امت کے لئے جاگتا رہا اور کتابُ اللہ سے ایک ہزار سے کچھ اوپر مسائل نکالے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ سن کر میں اپنی شب بیداری بھول گیا کہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا اتنا دشوار نہیں جتنا لیٹ کر جاگنا۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نو سو ننانوے کتابیں لکھیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟

فرمانے لگے: "محمد بن حسن کی کتابوں سے"۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو مسائل قرآن وسنت اور اجماع سے مستنبط کئے ان کی تعداد دس لاکھ ستر ہزار ایک سو بتائی گئی ہے۔[۱]

فائدہ: علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

علماء سلف بہت عالی ہمت تھے، ان کی عالی ہمتی کا اندازہ آپ ان کی تصانیف سے کر سکتے ہیں جو ان کی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ علم میں کمال چاہنے والے طالب علم کو چاہیے کہ اسلاف کی کتابوں[۲] سے واقفیت حاصل کرے، تاکہ ان کی عالی ہمتی دیکھ کر اس کا دل زندہ اور اس کے محنت کرنے کا عزم متحرک ہو، لہٰذا اپنے اسلاف کی سیرت کو پڑھیے، ان کے حالات وتصانیف کا مطالعہ کیجیے کہ ان کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ انہیں دیکھنے کی مانند ہے۔[۳]

سبق کی پابندی

قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھنے کے لئے بہت دور سے پیدل آیا کرتے تھے، کبھی سبق کا ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔

ایک دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی آپ کے ساتھیوں نے سوچا آج تو وہ نہیں

---

[۱] حدائق الحنفیة: ۲/۱۳۰، ۱۵۹

[۲] اسلاف کی تصانیف کے حوالے سے بیت العلم ٹرسٹ کی شائع کردہ کتابیں "پرچھائیاں" اور "وہ کوہ کن کی بات" (جس میں دارالعلوم دیوبند کی مایہ ناز شخصیت مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات وواقعات زندگی کو ادبی پیرائے میں پیش کیا گیا ہے) طلباء کے لئے بہت مفید ہیں۔

[۳] قیمة الزمن عند العلماء: ص ۶۰

آسکتے، آج ناغہ ہو جائے گا، لیکن ان کے استاذ صاحب کو یقین تھا کہ وہ ناغہ نہیں ہونے دیں گے، تھوڑی دیر گزری تھی کہ سب نے دیکھا کہ قاری صاحب گھڑے میں کتابیں رکھ کر بارش میں بھیگتے ہوئے پڑھنے کے لئے پہنچ گئے۔

آپ کے استاذ شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔[۱]

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سبق میں غیر حاضری کرنے سے بہت نقصان ہوتا ہے، اگر آپ کسی سبق میں غیر حاضر رہیں تو ممکن ہے کہ بعد میں اپنے مطالعہ سے یا کسی ساتھی سے اس سبق کو سمجھ لیں، لیکن نہ سمجھنے کا حق ادا ہوگا اور نہ ہی کلاس اور استاذ کے درس کی برکات آپ کو حاصل ہوں گی۔[۲]

امتحان میں محنت اور نیند دور کرنے کا نسخہ

حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں نے ایامِ امتحان میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ رات کو کتاب ابتداء سے اخیر تک مطالعہ کرتا تھا اور تمام رات میں صرف ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم سوتا تھا، نیند کے دور کرنے کے لئے نمکین چائے کا انتظام کرتا تھا، جب بھی نیند غالب آجاتی اس چائے کو پیتا، جس سے گھنٹہ دو گھنٹہ کو نیند جاتی رہتی تھی کیونکہ میں ہمیشہ سے نیند سے مجبور رہتا ہوں اور بالخصوص کتب بینی کے وقت تو نیند بہت ہی غالب آجاتی ہے۔

اس طریقہ پر عمل کرنے کی وجہ سے مجھ کو امتحان کی مشکلات پر غلبہ حاصل ہوگیا۔[۳]"

---

۱ تفہیمات برائے حفاظ وحافظات: ص ۴۶

۲ مجالس علم وذکر: ۱/۱۷۴ ۳ بڑوں کا بچپن: ص ۸۸

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی نے فرمایا:

جب آپ خلوت (تنہائی) میں کتاب کا مطالعہ کریں گے اور غور کریں گے کہ کیا کیا سمجھ میں آیا اور کیا کیا نہیں آیا یعنی معلوم و مجہول میں فرق کریں گے، یہی مطالعہ ہے، اب جو حصہ آپ سمجھ گئے ہیں اس پر استاذ کے درس میں غور کریں گے کہ صحیح سمجھ میں آیا ہے یا نہیں اور جو حصہ سمجھ میں نہیں آیا اس کو توجہ سے سنیں گے، اور اگر آپ بغیر مطالعہ کے سبق میں جائیں گے تو یہ بات نہیں ہوگی اور اس سے استعداد میں خلل رہے گا۔[1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا علمی شوق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں اپنے ایک انصاری دوست کے پاس گیا اور ان سے کہا: ابھی الحمد للہ بڑے بڑے صحابہ کرام موجود ہیں، ہمیں چاہیے کہ ان سے علم حاصل کرلیں (ورنہ ان کے بعد لوگ ہم سے مسائل پوچھیں گے اور ہمیں علم نہ ہوگا تو مشکل پڑے گی)۔

انصاری دوست پر تواضع کا غلبہ تھا، انہوں نے کہا کہ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ لوگوں کو ہماری ضرورت پڑے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ان کے یہ کلمات سن کر میں نے ان کو تو ان کے حال پر چھوڑا اور خود طلبِ علم کے لئے کمربستہ ہوگیا اور جس صحابی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس حدیث کا کچھ علم ہے، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کو حاصل کرتا۔

بعض اوقات مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں بزرگ فلاں حدیث کی روایت کرتے

---

[1] مجالسِ علم و ذکر: ۱/۱۴۳،۱۷

ہیں تو میں ان کے دروازہ پر حاضر ہوتا، معلوم ہوتا کہ وہ قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرما رہے ہیں تو دروازہ ہی پر اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹا رہتا تھا، ہوا سے تمام گرد و غبار میرے چہرہ اور کپڑوں کو گرد آلود کر دیتا تھا (مگر میں اپنی دُھن میں مست تھا)۔

یہاں تک کہ وہ بزرگ باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرانی سے فرماتے: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے! آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ کوئی آدمی بھیج کر مجھے بلا لیتے، میں وہیں حاضر ہو جاتا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے کہ نہیں، میں علم حدیث کے لئے آیا ہوں، یہ میرے ہی ذمہ تھا کہ خود حاضر ہوں۔[1]

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے خاندانی اعزاز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور عنایات سے حاصل شدہ عزت کو طلبِ علم کے راستہ میں اس طرح نظر انداز کر دیا کہ عامیانہ طور پر در در پھر کر علم حاصل کیا کیونکہ جو محبوب مقصد ان کے پیشِ نظر تھا، اس نے ان کو ہر مشقت ومحنت اور ظاہری ذلت برداشت کرنے کے لئے آمادہ کر رکھا تھا۔

رنج راحت شُد جو مطلب شُد بزرگ
گرد گلہ تو تیائے چشم گُرگ

ترجمہ: "جب مقصد بڑا ہو تو تکلیف بھی راحت بن جاتی ہے، (جیسے) تیرے ریوڑ کے گرد بھیڑیے کی نظر لگی ہوئی ہو۔"

علماء نے فرمایا ہے:

"اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِيهِ وَلَا يُدْرَكُ اِلَّا بِذُلٍّ لَا عِزَّ فِيهِ۔[2]"

ترجمہ: "علم ایسی دائمی عزت ہے کہ اس میں ذلت کا نام نہیں مگر

---

[1] البداية والنهاية: ۲۰۹/۸

[2] تعليم المتعلم للزرنوجي: ص۶۶

حاصل ایسی ذلت سے ہوتا ہے کہ اس میں عزت کا نام نہیں۔“

اسی والہانہ طلب اور جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ جماعتِ صحابہ میں آپ کا لقب ربانی الامۃ، حبر الامۃ اور ترجمان القرآن مشہور ہے، عہدِ صحابہ ہی میں آپ کے فتاویٰ کا چرچا اور قبولِ عام ہوگیا۔[1]

کتابوں کا روگ

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سخت بیمار تھے اور کافی طویل عرصے تک بیمار رہے، ایک صبح فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوگیا۔ خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے فوراً بعد ہم سب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کی طرف لپکے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ساتھ تھے، گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد اللہ خبر غلط تھی البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے۔

ہم سب لوگ حضرت کی عیادت کے لئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں، سامنے تکیے پر ایک کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ جھک کر اس کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت کے ساتھ تشویش بھی ہوئی کہ ایسی علالت میں مطالعے کے لئے اتنی محنت برداشت کرنا مرض میں مزید اضافے کا موجب ہوگا۔

چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمت کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ:

حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعے میں نہ آچکی ہو اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری

[1] کشکول: ص ۲۳۸

ضرورت کیا پیش آگئی ہے کہ اسے چند روز موخر نہیں کیا جاسکتا اور اگر بالفرض کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مر گئے ہیں؟ آپ کسی بھی شخص کو حکم فرما دیتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھا رہے ہیں، وہ ہم خدام کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا:

"بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں۔[1]"

فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دورہ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا، فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوتِ مطالعہ[2] پیدا ہو جاتی اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے، اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کی بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوتِ مطالعہ کو کام میں لا کر علم میں وسعت اور گہرائی پیدا کرے۔[3]

ہفتہ بھر دن رات مطالعہ

دار العلوم دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کثرتِ مطالعہ، کتب

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۴۳

[2] طلباء کو چاہیے کہ مطالعہ کا شوق اور رغبت اپنے دل میں پیدا کرنے کے لئے مکتبہ دار الہدیٰ کی شائع کردہ کتاب "مطالعہ کی اہمیت" کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

[3] مجالس مفتی اعظم: ص ۴۲۳

بینی، درس و تدریس کی شبانہ روز کی مشغولیت میں منفرد تھے، دار العلوم کی مدرسی کے ابتدائی دور میں ان کی کثرت سے کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک ہفتہ مسلسل وہ قطعاً نہ سوتے تھے اور شب و روز کتاب کے سوا کوئی اور چیز ان کے ہاتھوں میں، آنکھ کے سامنے نظر نہ آتی تھی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سلسلہ میں ایک واقعہ خود حضرت مولانا نے بارہا مجھ کو سنایا۔

فرماتے تھے: ''امام العصر حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہنچائی گئی کہ ''اعزاز علی'' ایک ایک ہفتہ متواتر کتاب دیکھتا رہتا ہے اور اس عرصہ میں رات دن آنکھ تک بند نہیں کرتا، مسلسل بیداری کی وجہ سے اس کی صحت روز بروز گرتی جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو جو خصوصی تعلق میرے ساتھ تھا، اس اطلاع نے ان کو بے چین کر دیا اور مضطربانہ عالم میں شب کو بارہ بجے جب کہ کڑکڑاتی ہوئی سردی پڑ رہی تھی، میرے کمرہ پر تشریف لائے، اس وقت میں مطالعہ کر رہا تھا اور واقعۂ بیداری کی مدت ایک ہفتہ سے زائد ہو رہی تھی، تندلب و لہجہ اور پوری ناگواری کے ساتھ فہمائش فرماتے ہوئے کتاب میرے ہاتھ سے لے کر رکھ دی۔

مولانا اس کے بعد فرماتے تھے: ''شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے تشریف لے جانے کے بعد چند منٹ تو حضرت شاہ صاحب کی اس فہمائش کا مجھ پر اثر رہا اور جب برداشت نہ ہوسکا تو کتاب لے کر پھر مطالعہ میں مستغرق ہوگیا۔[1]''

فائدہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس شخص کو علم حاصل ہو، اس کو چاہیے کہ کسی وقت طلبِ علم کو نہ چھوڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ کی ایک کان یہ بھی ہے کہ جو علم تمہارے پاس ہے اس کے ذریعے

---

[1] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۲۵۵

سے وہ علم حاصل کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے اور یہ بھی حاصل کیے ہوئے علم کا نقصان ہی ہے کہ اس میں زیادتی کم ہو اور جس چیز کا علم حاصل نہیں اس کو حاصل کرنے میں رغبت نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ اس نے حاصل کیے ہوئے علم سے نفع نہیں اٹھایا۔[1]

علم کی خاطر مشقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دورانِ تعلیم رات کو تکرار کرنے دارالعلوم تشریف لے جاتے اور جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا، کبھی دو، حضرت نے دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیں، اُن کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی، بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی راتوں میں شوربہ اُوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا، میں وہی کھا کر سو جایا کرتا۔[2]"

فائدہ: طالب علم کو چاہیے کہ جو تھوڑا سا بھی میسر آجائے اس پر قناعت کرے اور پہننے کے لئے ضرورت کے بقدر جو مل جائے اسی کو بہت سمجھے، اس لئے کہ طالبِ علمی کے زمانے میں تنگ دستی اور تنگ دامنی پر صبر کرنا وسعتِ علم کا ذریعہ ہے اور دل کے شیرازے کو متفرق امیدوں اور آرزوؤں سے مجتمع رکھے، اس کی برکت سے علم و حکمت کے سدا بہار چشمے ذہن پر پھوٹ پڑیں گے۔[3]

---

[1] جامع بیان العلم وفضلہ: ۴۰۲/۱

[2] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص ۲۲٤

[3] تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم: ص ۱۱٦

علم سے لگاؤ

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی قدس سرہ ابھی بچے ہی تھے اور ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھتے تھے۔

ایک دن قاری صاحب نے اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا تھا، اس پر والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا، قاری صاحب کو اتنا رنج ہوا کہ رات کو کھانا نہ کھایا، والدہ رونے لگیں۔ والد صاحب کو معلوم ہوا تو والدہ سے کہنے لگے کہ:

''یہ رنج کی بات نہیں، بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ اُسے پڑھنے سے لگاؤ ہوگیا۔''[1]

فائدہ: طالبِ علم کو چاہیئے کہ رات دن کے اپنے اوقات تقسیم کرلے، غنیمت جانتے ہوئے اپنی بقیہ عمر کو...... اور کتاب کے یاد کرنے کے لئے سب سے بہترین وقت سحری کا ہے، علمی مباحثہ کے لئے صبح سویرے کا وقت، لکھنے کے لئے دن کا درمیانی وقت، مطالعہ اور مذاکرہ کے لئے رات کا وقت نہایت موزوں ہے۔[2]

شاہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی علم سے دلچسپی

شاہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے تحصیلِ علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی وقت پر نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا، میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جھلسا دینے والے جھونکوں میں ہر روز دربارِ دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا جو ہمارے مکانوں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہوگا، دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے کھا لیتا، میرے والدین ہر چند کہتے کہ تھوڑی دیر کے لئے محلہ کے لڑکوں کے ساتھ کھیل

---

[1] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص۱۹۶

[2] تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم: ص۱۱۷

لو اور وقت پر سو جاؤ۔

میں کہتا تھا آخر کھیلنے سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی تو ہے، میری طبیعت اس سے خوش ہوتی ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں، عام طور پر ماں باپ بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید اور تنبیہ کیا کرتے ہیں، لیکن اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے، کبھی مطالعہ کے دوران ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات گزر گئی ہے، میرے والد نے مجھ سے فریاد کی ہے کہ بابا کیا کرتے ہو، میں سنتے ہی فوراً لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں سوتا ہوں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جب وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر اُٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا اور زیادہ تعجب کی بات ہے کہ باوجود مطالعہ، تذکرہ اور بحث و تکرار میں بیشتر وقت منہمک رہنے کے میں جو کتابیں پڑھتا تھا، بلکہ ان کے علاوہ شروح و حواشی بھی جو نظر سے گزرتے تھے ان کے لئے بھی لکھنے کی مشق کو ضروریاتِ وقت سے شمار کرتا تھا، میں رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گزارتا تھا اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا، اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور میں نے ایک سال اور کچھ دنوں میں اس نعمت کو حاصل کیا۔[1]

فائدہ: علامہ ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا: آدمی کو علم کب تک حاصل کرنا چاہیے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا:

"مَا دَامَتِ الْحَیٰوۃُ تُحْسِنُ بِهٖ"

ترجمہ: "یعنی جب تک زندگی مہربان رہے۔"

کیونکہ علم کا دریا بے کنار ہے اور انسانی زندگی محدود، اس کے باوجود ایک آدمی ایک حد پر پہنچ کر علم سے سیر ہو جائے تو یہ اس کی حرمان نصیبی ہے۔

---

[1] بڑوں کا بچپن: ص ۲۲، ۲۳

شوق کا تقاضا یہ ہے کہ۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان از تن برآید

ترجمہ: ''جستجو میں برابر لگا رہوں گا جب تک میرا مقصود پورا نہ ہو جائے اب چاہے مقصد پورا ہو جائے یا جان چلی جائے۔''

اور سچ یہ ہے کہ جب علم محدود نہیں تو طلب کی بھی کوئی حد نہیں ہونی چاہیے۔[1]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی طالب علمی

ابراہیم بن جراح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے خود سنا ہے فرمایا: ہم نے بھی طلبِ علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلبِ علم کیا کہ ہم ان کو شمار نہیں کر سکتے، مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا، جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا۔

مراد اس کلام کی یہ تھی کہ طالبِ علمی کے وقت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر والے ان کے لئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے، وہی صبح کے وقت کھا کر حلقۂ درس میں پہنچ جاتے تھے اور پھر واپس آکر بھی وہی کھاتے تھے، کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہ کرتے تھے اور دوسرے لوگ حلوہ وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہو کر سبق کے ایک حصہ سے محروم رہ جاتے تھے۔[2]

فائدہ: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حصولِ کمال کی جانب جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور سے مائل نہ کر دے کمال حاصل نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی کوششوں کا پھل ضرور عطاء کرتے ہیں، ضائع

---

[1] علمائے سلف: ص ۳۹

[2] کشکول: ص ۷۴

نہیں کرتے[1]

طالبِ علم کو چاہیے کسی بھی صورت سبق میں ناغہ نہ کرے اس میں بے برکتی ہوتی ہے، دل اُکھڑ جاتا ہے، پڑھا ہوا بھول جاتا ہے اور شوق میں کمی واقع ہو جاتی ہے[2]

بے کسی کا تبسم

حضرت ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ''تیس'' میں طالبِ علمی کے زمانے میں مقیم تھا، میری معاشی حالت بڑی نازک ہوگئی، صرف ایک درہم میرے پاس بچ رہا، جب کہ مجھے روٹی اور کاغذ دونوں کی ضرورت تھی، میں اس تردّد میں رہا کہ ایک درہم سے کیا خریدوں؟

اگر کھانا خریدوں تو کاغذ کے لئے کچھ نہیں بچتا اور اگر کاغذ خریدنے میں خرچ کروں تو روٹی کے لئے کچھ نہیں رہتا، تردد کے اس عالم میں تین دن گزر گئے، چوتھے دن میری بھوک اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اگر اب میں کاغذ خرید بھی لیتا تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میرے لئے کچھ لکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے میں نے وہ درہم منہ میں رکھا اور کہیں سے کھانا خریدنے نکل پڑا، قدرت کے کرشمے دیکھیے کہ وہ درہم میں نے نگل لیا اور مجھے بے اختیار ہنسی آگئی، طاہر خطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگے ''کیوں ہنس رہے ہو؟''

میں نے بات ٹال دی، انہوں نے اصرار کیا حتیٰ کہ طلاق کا حلف اٹھایا کہ آپ ہنسی کی وجہ بتائیں، میں نے تفصیل بتلائی، صورت حال سے آگاہ ہو کر انہوں نے میرے لئے مستقل طعام کا انتظام کیا۔[3]

---

[1] علمائے سلف: ص ۴۲

[2] رحمة للمتعلمين: ص ٤٦

[3] الجمع بين الرجال الصحيحين: ص ٣٣٦

فائدہ: نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے لئے جذبۂ علم سے معمور عرب وعجم سے اٹھنے والے محدثین کے قافلوں کی زندگیاں اسفار ہی سے عبارت تھیں، علم حدیث کی طلب کا تصور سفر اور بادیہ پیمائی کے بغیر ادھورا سمجھا جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے یہی وہ خوش نصیب انسان تھے جنہوں نے ذخیرۂ حدیث کے اس سدا بہار چمن کی آبیاری کے لئے زندگی کی ہر آسائش اور راحت کو قربان کیا، صحرا ہو یا دریا، جنگل ہو یا پہاڑ، گرمی ہو یا سردی، اندھیرا ہو یا روشنی، کوئی چیز ان کے عزمِ بلند اور جذبۂ ارجمند کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی، ان کی زندگی کا آشیانہ کسی ایک شاخ کا پابند نہ تھا بلکہ۔

؎ کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر ویرانہ میرا، بحر میرا، بن میرا[1]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طالب علمی

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس علمِ دین کو کوئی شخص مال و دولت اور عزت وجاہ سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا، بلکہ اس میں صرف وہ شخص کامیاب ہوتا ہے جو تنگیٔ عیش اور اساتذہ کے سامنے اپنے نفس کو حقیر کرنے اور علم وعلماء کی عزت کرنے کو اختیار کرے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگیا تھا، میری پرورش نہایت تنگی کے ساتھ میری والدہ کرتی تھیں، جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو میری والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھلا دیا مگر ان کو اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ میرے استاذ کی کوئی مالی خدمت کرسکتیں، اس لئے میں نے ان کو اس پر راضی کیا کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں

---

[1] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۱۷۷

نگرانِ مکتب کے طور پر آپ کا کام کیا کروں، اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا۔[1]

فائدہ: علامہ وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: علم سے یہ شاخیں پھوٹتی ہیں:

1. بزرگی کی شاخ اگرچہ علم حاصل کرنے والا کمینہ ہو۔
2. عزت کی شاخ اگرچہ صاحبِ علم ذلیل ہو۔
3. قربِ خداوندی کی شاخ اگرچہ حاملِ علم دُوری اختیار کیے ہوئے ہو۔
4. استغناء کی شاخ اگرچہ علم کی طلب کرنے والا فقیر ہو۔
5. رُعب کی شاخ اگرچہ علم کی طلب میں لگنے والا کم درجہ کا ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علم کو حاصل کرو! اس لیے کہ علم کا حاصل کرنا نیکی ہے، اس کی طلب میں لگنا عبادت ہے، اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح ہے، اس کا تکرار کرنا جہاد ہے، اس کو خرچ کرنا قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے اور ناواقف کو اس کی تعلیم دینا صدقہ ہے۔[2]

حجاج بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحصیلِ علم

جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شبابہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تحصیلِ علم کو جانے لگے تو ان کے توشۂ سفر کی کل کائنات یہ تھی کہ ان کی دل سوز والدہ نے سو کلچے پکائے، جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے، روٹیاں مہربان ماں نے پکا دی تھیں، سالن ہونہار اور دلبر فرزند نے خود تجویز کر لیا اور اتنا کثیر و لطیف کہ آج تک صدہا برس گزرنے کے بعد بھی ویسے ہی تروتازہ موجود ہے وہ سالن کیا تھا؟

---

[1] کشکول: ص۷٤

[2] تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلّم: ص۳٤

دجلے کا پانی۔ حجاج بغدادی ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاذ سے پڑھتے، جس روز وہ روٹیاں ختم ہو گئیں، ان کو استاذ کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔[1]

فائدہ: راہِ علم کا سامانِ سفر اسی وقت بنتا ہے، جب زمانۂ طالب علمی کی سختیاں برداشت کی جائیں اور یہ سختیاں اسی وقت سہی جا سکتی ہیں، جب طلبِ علم کا درد نصیب ہو، یہ توشۂ سفر جب مسافرِ علم کو ملتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے۔

سینے سے لگا لو دیوانو!
یہ درد بمشکل ملتا ہے[2]

چھ ماہ تک جوتا نہ خریدنے والا طالبِ علم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: والد صاحب کی کڑی نگرانی کی وجہ سے یکسوئی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی، ہر وقت سب سے الگ تھلگ کتابوں میں مشغول رہتا تھا۔

میرے تعلیمی انہماک، خلوت پسندی اور سیر و تفریح سے نفرت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتا مدرسہ میں کسی نے اٹھا لیا تو تقریباً چھ ماہ تک دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت نہیں آئی، کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسے سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی، مدرسہ کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے ہیں وہ ڈال دیتا تھا، جو اب تک بھی دستور ہے، اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسے کے دروازے سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا، نہ جوتے کی ضرورت ہوئی۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ: ۱۳۰/۲

[2] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۲۴۷ [3] بڑوں کا بچپن: ص ۱۱۰

فَائِدَہ: علم کا حصول اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک علم سے مشغول کر دینے والے کاموں اور روک دینے والی باتوں سے پرہیز نہ کرے، حصولِ علم کے لئے اپنی کوششوں اور قوت کا خرچ کرنا اور تمام فکروں سے آزاد رہنا انتہائی ضروری ہے،[1] اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل جمع نہیں فرمائے، بلکہ ایک ہی دل دیا ہے، تو چاہیے کہ زمانۂ طالب علمی میں دل کسی اور طرف مشغول نہ ہو۔[2]

[1] طلباء کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کی زیرِ طبع کتاب "مثالی طالبِ علم" کا مطالعہ دورانِ تعلیم نہایت سود مند ہے۔

[2] تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلّم: ص ۱۱۵

③ وقت کی قدر کریں

انسان کو مختصر سی مدت کی مہلت دی گئی ہے، اس میں وہ جو کچھ بوئے گا، آگے اسی کی فصل کاٹے گا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور چار دن کی اس عمرِ مستعار پر اگلی دائمی زندگی کا حال موقوف ہے، اس زندگی کے عمل سے وہ زندگی بنے گی کہ:

ع یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری!

لیکن یہ عالمِ رنگ و بو غفلتوں کے ہزار سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور یہاں چمک دمک کے ہزاروں جلوے ایسے ہیں کہ ان کے جہاں میں گم ہو کر زندگی کا اصلی ہدف آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پیاسے کی طرح سیراب کی نمود پر دریا کے گمان جیسا دھوکہ لگا رہتا ہے۔ غفلت کے اس گرداب سے نکلنے اور اصل تعمیری مقصد میں حیاتِ مستعار صرف کرنے کی طرف قرآن نے جا بجا انسان کی توجہ مبذول کرائی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا ۝﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اور اللہ وہ ذات ہے جس نے رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔“

قرآن میں زمانے اور دن رات کی قسم کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات کی قسمیں ملتی ہیں، کہیں صبح کی، کہیں ضحیٰ کی اور کہیں وقتِ عصر کی قسم کھائی گئی ہے، ان قسموں کا

[1] الفرقان: ٦٣

ایک بڑا مقصد پکار پکار کر انسان کو وقت اور عمرِ عزیز کی گزرتی لہروں سے نفع اٹھانے اور پل پل لمحہ کو تول تول کر خرچ کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے۔

اس سے زیادہ فرصت نہیں

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نواسے اور جانشین تھے، تحصیلِ علم میں مولانا عبدالرحمٰن کو اتنا انہماک تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں اگر کوئی ہم عمر یا عزیز دہلی ملاقات کے لئے جاتا تو اس سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یا سرسری ملاقات کے بعد صاف طور پر فرما دیتے کہ اس سے زیادہ فرصت نہیں، جب اللہ تعالیٰ بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے۔[1]

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی صحیح قدر اِن بزرگوں کے دل میں تھی اور رہ رہ کر دل کا یہ احساس اُبھرتا کہ وقت کہیں ضائع تو نہیں جا رہا، وقت کے اسی احساسِ اہمیت کی خاطر اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ صرف سلام کیا کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو۔

اور یہ اس لئے کہ عام طور پر ملاقات کے وقت رسماً خیر و عافیت پوچھی جاتی ہے تو اس میں وقت کا ضیاع ہے۔[2]

ابنِ عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی مصروفیاتِ علمی

ابن عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ چھٹی صدی کے مشہور عالم اور حنابلہ کے ائمہ میں سے ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور علم و مطالعہ کا غیر

---

[1] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص ۱۹۵

[2] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۲۱۵

معمولی شوق عطا فرمایا تھا، خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، یہاں تک کہ جب علمی بحث کرتے کرتے میری زبان تھک جائے اور مطالعہ کرتے کرتے آنکھیں جواب دینے لگیں تو میں لیٹ کر مسائل سوچنے لگ جاتا ہوں۔ بیس سال کی عمر میں علم کے شوق کا جو جذبہ میرے اندر تھا یہ جذبہ اس وقت کچھ زیادہ ہی ہے جب کہ اب میں اسی ۸۰ کے پیٹے میں ہوں، میں مقدور بھر کوشش کرتا ہوں کہ کھانے میں کم سے کم وقت لگے، بلکہ اکثر اوقات تو روٹی کے بجائے چورہ کو پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں کیونکہ دونوں کے درمیان وقت صرف ہونے کے لحاظ سے کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے اور چبانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے، جب کہ ثانی الذکر کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے نسبتاً کافی وقت نکل آتا ہے۔[1]"

فائدہ: ابوالحسن علی بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ادب الدنیا والدین" میں بڑی اچھی بات لکھ دی ہے:

"مَنْ تَفَرَّدَ بِالْعِلْمِ لَمْ تُوْحِشْهُ الْخَلْوَةُ وَمَنْ تَسَلّٰى بِالْكُتُبِ لَمْ يَفُتْهُ سَلْوَةٌ، وَمَنْ اٰنَسَهٗ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ لَمْ يُوْحِشْهُ مُفَارَقَةُ الْإِخْوَانِ."

ترجمہ: "جو علم کو لے کر تنہائی اختیار کر لے، خلوت سے اس کو وحشت نہیں ہوگی، جو کتابوں کو اپنے لئے سامانِ تسلی بنا دے تو وہ تسلی پائے گا اور جس کو قرآن کی تلاوت سے اُنس ہو جائے تو بھائیوں اور دوستوں کی جدائی سے اس کو کوئی غم نہیں ہوگا۔[2]"

---

[1] ذیل طبقات حنابلہ: ۱۳۱/۱

[2] ادب الدنیا والدین: ص ۶۸

عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظام الاوقات!

عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ضیاء الدین مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات کے نظام کے بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

''عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمرِ عزیز کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، فجر کی نماز پڑھتے، پھر قرآن شریف کی تلاوت کرتے، کبھی حدیث کا درس دیتے، پھر کھڑے ہو کر وضو کرتے اور ظہر سے پہلے تک تین سو رکعتیں پڑھتے، پھر کچھ دیر آرام کرتے، ...... نمازِ ظہر کے بعد مغرب تک وہ سننے یا لکھنے میں مشغول ہو جاتے، مغرب میں اگر روزہ ہوتا افطار فرماتے، ورنہ عشا تک نماز میں مشغول رہتے، بعد نمازِ عشا نصف شب تک آرام کرتے، نصف شب کے بعد اٹھ کر وضو کرتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے، فجر کے قریب وضو تازہ کرتے، بسا اوقات سات سات مرتبہ وضو کرتے اور فرماتے:

جب اعضاء تر ہوں تو مجھے نماز پڑھنے میں لطف محسوس ہوتا ہے،

یہ تھا ان کی زندگی بھر کا معمول[1]!''

فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں، یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس کو یوں ہی نہ گزارو[2]۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کا حفظِ اوقات

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ جرح و

---

[1] تذکرة الحفاظ: ۱۳۷۶/۴ [2] مجالس مفتی اعظم: ص ۶۳۱

تعدیل کے امام ہیں، فرماتے تھے: کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والد کھانا کھا رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں، میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلا میں داخل ہو رہے ہیں، میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔

اور فرماتے تھے: ہم مصر میں طالبِ علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ سات ماہ رہے، دن پورا کا پورا شیوخِ احادیث کی مجلس میں تقسیم تھا، دن کو پڑھتے اور رات کو لکھتے تھے۔

ایک دن میں اور میرا رفیق ایک شیخ کی مجلس میں بروقت پہنچے، معلوم ہوا آج شیخ علیل ہیں، چونکہ اب دوسری مجلس درس میں کچھ وقت تھا، اتنے میں ایک مچھلی خرید کر ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ اگلی مجلسِ حدیث کا وقت ہوگیا، مچھلی کو چھوڑ کر مجلس میں حاضر ہوئے، تین دن گزر گئے لیکن اس کے پکانے کا موقع نہیں ملا، اب پکانے کے لئے فرصت کہاں سے لاتے، اس لئے بن بھونے وہ مچھلی ہم نے کچی کھالی، یہ واقعہ سنا کر حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے:

"لَا یُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ"

"جسم کی راحت کے ساتھ کبھی علم حاصل نہیں ہوسکتا۔[1]"

فَائِدَةٌ: حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ذمہ کام بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت مختصر، انسان کا مستقبل موہوم ہے، اس کا حال ثبات سے خالی ہے، اور اس کا ماضی اس کی قدرت سے باہر ہے، جس نے حال سے فائدہ اٹھایا، طلب ومحنت جاری رکھی اور اپنی دنیا آپ زندوں میں پیدا کی، اس کے دامن نصیب میں تو کچھ آجاتا ہے ورنہ اس گردش کی تنگئ داماں کا کوئی علاج نہیں ہے، نہ یہ کسی کی خاطر رکتی ہے اور نہ گزر جانے کے بعد واپس لائی جاسکتی ہے، اقبال نے کتنی خوبصورتی سے زمانہ کی حقیقت، اس کی بے وفائی اور بے نیازی کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے ؎

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲۶۶/۱۳

جو تھا، نہیں ہے، جو ہے، نہ ہوگا، یہی اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ
آگے زمانہ کی کیفیت خود اس کی زبانی پیش کی گئی ہے ؎
مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ مری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
نہ تھا اگر تو شریکِ محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ[1]

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قدردانیٔ وقت

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث سننے کے لئے محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے، محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت شروع کی، "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ"

یحییٰ بن معین نے کہا: "لَوْ کَانَ مِنْ کِتَابِكَ" یعنی اگر اپنی کتاب سے دیکھ کر روایت فرمائیں تو اچھا ہوگا، حالانکہ محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ ثقہ اور معتبر ہیں لیکن یحییٰ نے کمالِ احتیاط اور دلی خواہش کا اظہار کیا، محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ کو بالکل ناگوار نہ گزرا اور اٹھے تاکہ گھر سے کتاب لائیں، پہلے زمانے میں محدثین مسجد میں درس دیتے تھے، اگر مجمع اتنا بڑا ہوتا کہ مسجد ناکافی ہوتی تو پھر وسیع جگہ میں درس دیتے اور اگر افراد کم ہوتے تو گھر کے دروازے پر پڑھاتے، تو وہ دروازہ پر بیٹھ کر یہ حدیث سنا رہے تھے لیکن جب کتاب لانے کے لئے کھڑے ہوگئے تو یحییٰ نے کرتے سے پکڑ

---

[1] متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ص ۵۷

لیا اور کہا:

معلوم نہیں کہ آپ کے کتاب لانے تک میں زندہ رہوں یا نہیں، ابھی زبانی سنا دیں، پھر کتاب سے پڑھائیں۔[1]

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول نقل فرماتے ہیں:

۱ "أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيْرِهِ."

۲ يَاابْنَ آدَمَ! إِيَّاكَ وَالتَّسْوِيْفَ! فَإِنَّكَ بِيَوْمِكَ وَلَسْتَ بِغَدٍ، وَإِنْ يَكُنْ غَدٌ لَكَ فكس في غد كما كست فِي الْيَوْمِ وَإِلَّا يَكُنْ لَكَ لَمْ تَنْدَمْ عَلَى مَا فَرَّطْتَ فِي الْيَوْمِ."

ترجمہ

۱ "میں نے ایسے لوگوں (صحابہ کی جماعت) کو پایا ہے جن کا اپنی عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراہم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا۔"

۲ "اے آدم کے بیٹے! ٹال مٹول سے بچو! کیونکہ آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے، کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں، اگر کل کا دن مل جائے اور کل کا دن آجائے تو کل کے دن بھی ایسے ہو جاؤ جیسے آج ہوئے تھے (اس دن کے بارے میں یہ یقین کر لو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے، کل کا دن نہیں ہے اور اگر وہ کل آگئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہ ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کر دیا)۔[2]"

---

[1] شمائل ترمذی: ص۵

[2] کتاب الزهد والرقائق، باب التحضيض على طاعة الله: ص۴

حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مشغلۂ علمی

نام ان کا عبدالعظیم ہے، "حافظ منذری" سے مشہور ہیں، قاہرہ مصر میں ۵۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔

حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، قاہرہ کے مشہور مدرسہ "دارالحدیث کاملہ" میں بیس سال تک حدیث کے شیخ رہے۔

جہاں پڑھاتے، وہاں سے بالکل نہ نکلتے، نہ کسی کی تعزیت کرنے جاتے اور نہ تہنیت ومسرت کے موقع پر نکلتے، زندگی بھر ایک ہی چیز کو اپنایا اور عمرِ عزیز کو اسی میں صرف کیا یعنی مشغلۂ علم! حتیٰ کہ ان کے صاحب زادے "رشید الدین" کا جب انتقال ہوا جو خود ایک زبردست عالم تھے تو مدرسہ کے اندر ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جب جنازہ اٹھایا گیا تو مدرسہ کے دروازہ تک آئے، اشک بار آنکھوں کے ساتھ کہنے لگے:

"بیٹے! اب تو اللہ کے حوالے ہے!" وہیں سے واپس ہوئے اور مدرسہ سے نہ نکلے۔[1]

فائدہ: ابنِ عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"وَاَنَّ اَجَلَّ تَحْصِیْلٍ عِنْدَ الْعُقَلَاءِ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ هُوَ الْوَقْتُ فَهُوَ غَنِیْمَةٌ تُنْتَهَزُ فِیْهَا الْفُرَصُ، فَالتَّکَالِیْفُ کَثِیْرَةٌ وَالْاَوْقَاتُ خَاطِفَةٌ."

علماء وعقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہیے وقت ہے۔ لحاتِ زندگی فراہم کرنے والا وقت

[1] طبقات الکبریٰ للسبکی: ۱۰۹/۵

درحقیقت بڑی غنیمت ہے، اس لئے اس کو بچا بچا کر رکھنا چاہیے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں، جب کہ وقت اُچک کر بہت جلد غائب ہونے والی چیز ہے۔[۱]

مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ!

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا: میں شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں کھانا مقرر تھا، آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن وہ بولے: ''مولوی! روزانہ اس راستے سے تو کہاں جایا کرتا ہے، کوئی دوسرا راستہ نہیں؟''

میں نے عرض کیا ''کھانا لینے جایا کرتا ہوں، دوسرا راستہ چونکہ بازار سے ہو گزرتا ہے اور وہاں ہر قسم کی اشیاء پر نظر پڑسکتی ہے اس لئے اس راہ سے آتا جاتا ہوں''۔

مجذوب کہنے لگے: شاید تجھے معاشی تنگی اور خرچ کی تکلیف ہے، میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجاؤ۔

فرماتے تھے، اس وقت تو حاضری کا اقرار کر آیا، مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاد دہانی کی، میں نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کر آؤں گا، جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا۔

مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے، میں نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا، اس طرح کئی جمعے گزر گئے۔

آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس آئے اور درگاہ شاہ نظام الدین کی

---

[۱] ذیل طبقات حنابلہ: ۱/۱۴۶، ۱۴۹

طرف لے جا کر ایک قسم کی گھاس مجھے دکھائی، ساتھ ساتھ ان مقامات کی بھی نشان دہی کی جہاں یہ گھاس اُگتی ہے، پھر وہ گھاس توڑ کر لائے اور مجھے طریقہ بتانے کی غرض سے میرے سامنے اس سے سونا بنایا، پھر سونا مجھے دے کر کہنے لگے، یہ بیچ کر اپنے کام میں لائیں، تاہم مجھے کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار جا کر بیچوں۔

مجذوب نے ایک دن خود جا کر وہ سونا بیچا اور رقم لا کر مجھے دی۔[1]

فائدہ: حضرت علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لڑکے کے لئے ایک نصیحت نامہ "لَفْتَةُ الْكَبِدِ فِيْ نَصِيْحَةِ الْوَلَدِ" کے نام سے لکھا، وقت کی اہمیت اور عمرِ عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں وہ اس میں لکھتے ہیں:

بیٹے! زندگی کے دن چند گھنٹوں، اور چند گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں، زندگی کا ہر سانس گنجینۂ ایزدی ہے، ایک ایک سانس کی قدر کیجیے کہ کہیں بغیر فائدہ کے نہ گزرے، تاکہ کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پا کر ندامت کے آنسو بہانے نہ پڑیں، ایک ایک لمحہ کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہو رہا ہے اور اس کوشش میں رہیں کہ ہر گھڑی کسی مفید کام میں صرف ہو، بے کار زندگی گزارنے سے بچیں اور کام کرنے کی عادت ڈالیں، تاکہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پا سکیں جو آپ کے لئے باعثِ مسرت ہو۔[2]

ایک آیت سمجھنے کے لئے سو تفسیروں کا مطالعہ

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ ابن تیمیہ کے دادا مجد الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] آپ بیتی: ۶/۸۱

[2] قيمة الزمن عند العلماء: ص ۶۲

''وہ عمرِ عزیز کا کوئی لمحہ ضائع ہونے نہیں دیتے تھے، زندگی کی ایک ایک گھڑی کو کسی مفید مصرف میں خرچ کرنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ کبھی تقاضہ اور ضرورت سے جاتے تو کسی شاگرد سے کہتے کہ تم کتاب بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سن سکوں اور وقت ضائع نہ ہو۔[1]''

ذرا آپ بھی سنیئے! انہی مجد الدین ابن تیمیہ کے پوتے تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

''رُبَمَا طَالَعْتُ عَلَى الْآيَةِ الْوَاحِدَةِ نَحْوَ مِائَةِ تَفْسِيْرٍ، ثُمَّ أَسْأَلُ اللّٰهَ الْفَهْمَ وَأَقُوْلُ: يَا مُعَلِّمَ آدَمَ وَإِبْرَاهِيْمَ! عَلِّمْنِيْ وَكُنْتُ أَذْهَبُ إِلَى الْمَسَاجِدِ الْمَهْجُوْرَةِ وَنَحْوِهَا وَأُمَرِّغُ وَجْهِيْ فِي التُّرَابِ وَأَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَأَقُوْلُ يَا مُعَلِّمَ إِبْرَاهِيْمَ! فَهِّمْنِيْ.''

ترجمہ: ''بسا اوقات صرف ایک آیت کے مطالعہ کے لئے میں نے سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس آیت کی فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ ''اے آدم و ابراہیم کے معلم! میری تعلیم فرما'' میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا، اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے! مجھے سمجھ عطا فرما۔[2]''

فائدہ: علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وقت کو ضائع ہونے سے تب بچایا جا سکتا ہے جب دل میں اس کی اہمیت کا احساس ہو، انسان کو چاہیے کہ ایک نظام الاوقات بنائے اور اس میں کاموں کی ترتیب ''اَلْاَهَمُّ فَالْاَهَمُّ'' کے اصول

---

[1] ''ذیل طبقات حنابلہ'' ۲/۲۴۹

[2] العقود الدرية: ص۲۶

کے مطابق رکھے، ہمارے اسلاف عمرِ عزیز کے قیمتی لمحات کے بڑے قدردان تھے
...... مشہور تابعی عامر بن عبدالقیس کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی بات کرنی چاہی، تو وہ فرمانے لگے:

سورج کی گردش روک دو تو تم سے بات کرنے کے لئے وقت نکال لوں[1]

میں تو اپنی ڈیوٹی ادا کروں گا

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے پینتالیس برس تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم دی، ان کی بیوی فوت ہوگئی، عصر کے وقت ان کو دفن کر کے آئے، مولانا مغرب کے بعد شمائل شریف کا درس دیتے تھے، کتاب بغل میں لی اور درسگاہ میں پہنچ گئے، لوگوں نے کافی کہا سنا حتیٰ کہ منت خوشامد بھی کی۔ مگر آپ نے فرمایا:

میں تو اپنی ڈیوٹی ادا کروں گا، حدیث کی تعلیم سے بڑھ کر کون سا کام ہوسکتا ہے۔[2]

فائدہ: ڈاکٹر عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے بلکہ یوں سمجھیے کہ دین و دنیا کی دولت یہی وقت ہے، جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی[3]!

~ عمرِ دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

وقت ایک قیمتی سرمایہ

حضرت علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ وقت اور زندگی کی قدر و قیمت کے

---

[1] صید الخاطر: ص ۱۰ [2] خزینہ: ص ۱۴۱ [3] مآثر حکیم الامت: ص ۳۶۷

احساس کا ذکر کرتے ہوئے اپنا حال سناتے ہیں:

''وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور صالح کاموں میں وقت کا صرف کرنا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کے ثبوت کے لئے دلائل پیش کئے جائیں، اس لئے مجھے لوگوں کا بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں، اب اگر لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہوں تو یہ بھی مناسب نہیں کہ اس سے اُنس ومحبت کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان سے لایعنی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رکھوں تو اس میں وقت کا ضیاع اور نقصان ہے، اس لئے میں نے یہ طریقہ اپنالیا ہے کہ۔

اوّلاً تو ملاقاتوں سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں اور اگر کسی کی ملاقات کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو بات نہایت ہی مختصر کرتا ہوں، مزید یہ کہ ایسے وقت کے لئے اس قسم کے کام چھوڑ رکھتا ہوں جن میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے: قلم کا قط لگانا، کاغذ کاٹنا اور دیگر اس قسم کے ہلکے پھلکے کام میں ملاقات کے وقت کرتا ہوں، اس طرح ملاقات بھی ہو جاتی ہے اور یہ کام بھی مکمل ہو جاتے ہیں اور عمرِ عزیز کی قیمتی ساعتیں صرف گفتگو میں ضائع نہیں ہوتیں۔[1]''

فَائِدَہ: وقت کی اس قدردانی اور محنت ومطالعہ کے اس جذبہ ہی کی برکت تھی کہ اللہ نے علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ کام لیا کہ اگر آج کوئی ان کی تمام تصانیف صرف نقل ہی کرنا چاہے تو شاید عمر بھر وہ نقل نہ ہو سکیں...... پھر ان کی طلبِ علم کے جذبۂ تاباں کو زندگی کی کسی منزل کی چلتی شادابی یا عمر کے کسی مرحلہ کی گزری جوانی سے گہن نہیں لگا، وہ جذبہ جیسا جوان تھا زندگی بھر ایسا ہی جوان رہا اور ضعف و پیری کے بدلتے تیور کسی طرح اس پر اثر انداز نہ ہو سکے چنانچہ...... جب کاروانِ

---

[1] قیمۃ الزمن عند العلماء: ص۵۹

زندگی ۸۰ منزلیں طے کر چکا، عمر کے اس مرحلہ میں بھی شوق کا یہ عالم تھا کہ اپنے صاحب زادے سمیت علامہ باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ''واسط'' میں حدیث پڑھنی شروع کی۔[1]

[1] متاع وقت اور کاروان علم: ص ۲۱۰

۴ اساتذہ کی خدمت اور ادب

جس سے نفع دینی یا دُنیوی حاصل کرنا چاہے اس کے سامنے اپنے کو مٹا دے، اور ادب، اطاعت اور خدمت اپنا شعار بنا لے، شوق سے پڑھے اور پڑھا ہوا خوب یاد رکھے، اِن باتوں سے اُستاذ ایسا مہربان اور خوش ہوگا کہ پچاس روپے دینے سے بھی اتنا مہربان اور خوش نہ ہوگا، غلطی اگر کلام میں یا کام میں ہو جائے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرلے، باتیں نہ بنائے کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ استاذ

حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب سے حضرت امام حماد رحمۃ اللہ علیہ (جو امامِ اعظم کے استاذ تھے) کا انتقال ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد ان کے لئے استغفار کرتا ہوں اور اپنے والد محترم کے لئے بھی اور میں نے کبھی بھی اپنے استاذِ محترم کے گھر کی طرف اپنے پیر نہیں پھیلائے۔ اگرچہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان سات گلیاں ہیں۔

یعنی امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے درمیان سات گلیاں اور کافی مکانات بھی موجود تھے۔[۱]

فَائِدَة: استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:

اساتذہ کا ادب اور احسان مندی بہت ضروری ہے، اساتذہ ہمارے بڑے محسن ہیں، والدین بھی محسن ہیں، انھوں نے ہمارے لئے تکلیفیں جھیلیں ہیں، مصائب

---

[۱] تہذیب الاسماء: ۲/۲۱۸

برداشت کیے ہیں، لیکن یہ ساری تکالیف جسمانی نشو ونما کے لئے ہیں اور جب تک اس جسم کے ساتھ ایمان نہ ہو کوئی فائدہ نہیں، ایمان کی ترقی اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنا علم کے ذریعے ہوتا ہے اور ہماری علمی نشو ونما اساتذہ کے توسط سے ہوتی ہے، اساتذہ سے ہمیں قرآن وحدیث کی معلومات ملیں اور ایمان کو جلا ملی، تو وہ ہمارے محسن ہیں ان کا اکرام کرنا چاہیے۔[1]

اہلِ علم کا احترام

امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۲۴ھ نے اپنی طالبِ علمی کے زمانہ کے حالات میں لکھا ہے:

میں جب بھی کسی محدث یا عالم کے پاس حاضر ہوا کبھی باہر سے آواز یا دستک نہیں دی بلکہ ہمیشہ باہر کھڑے ہو کر ان کے از خود باہر تشریف لانے کا انتظار کیا اور میں نے اہلِ علم کے احترام کا یہ طریقہ قرآن کریم کی اس آیت سے سیکھا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔“

علامہ داودی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”طبقات المفسرین“ میں لکھا ہے کہ یہ اہلِ علم کا بہت اچھا ادب ہے۔

اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سبقت حاصل ہے کہ آپ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے دروازے کے پاس ان کے

---

[1] مجالس علم وذکر: ۱۸۴/۱

[2] الحجرات: ۵

انتظار میں کھڑے رہے باوجودیکہ تیز ہوا آپ کے چہرہ کو گرد آلود کر رہی تھی۔

جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد! اگر آپ پیغام بھیج دیتے تو میں آپ کے پاس آجاتا۔

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''علم کے پاس چل کر آیا جاتا ہے۔[1]''

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا: ادب کا خلاصہ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے کسی قول یا فعل سے بزرگوں کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچائے اور ان کے دل کو مکدر نہ کرے ورنہ استفادہ تو کیا بسا اوقات سخت نقصان ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس طرح شیخ کی شفقت اور محبت باعثِ ترقی ہوتی ہے اسی طرح اس کا غصہ سببِ محرومی بنتا ہے، اگر جان بوجھ کر اس طرح کا کام کیا جائے تو ظاہر ہے اس سے دل دُکھتا ہے اور اگر بلا ارادہ ہو اس سے بھی کبھی دل پریشان ہو جاتا ہے جو سبب ہے حرمان و بدنصیبی کا۔[2]

اُستاذ کے لئے دُعا

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور وہ ان کا ہمیشہ بڑا احترام کرتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سوار ہوتے تو یہ ان کے پیچھے پیچھے پیدل ان سے سوالات کرتے جاتے تھے، ان کا خود اپنا بیان ہے:

میں نے تیس برس سے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] مثالی بچپن: ص ۱۱۵

[2] مجالسِ علم و ذکر: ۲/۵۵

تعالیٰ کے لئے دعا نہ کی ہو۔[1]

فائدہ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا:

شاگرد محبت کرتے ہیں تو اُستاذوں کو بھی محبت ہو جاتی ہے۔

مولانا قاسم صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ ہے کہ اساتذہ کی بے ادبی سے علم نہیں حاصل ہوتا۔

فرمایا: مجھ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا ہے۔ ''حدیث میں ہے'' جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ۔[2]

استاذ کی دُعا کا اثر

مدرسہ مظاہر العلوم کے محدث اور صدر المدرسین حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے وطن سے جب سہارنپور پڑھنے کے لئے آیا تو ہر استاذ سے مل کر آیا تھا، ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے ملاقات نہ ہو سکی، جب سہارنپور آکر پڑھنا شروع کیا تو کتاب بالکل سمجھ میں نہ آئی، حالانکہ میں اپنی جماعت میں بہت سمجھدار سمجھا جاتا تھا، اس کے اسباب پر غور کیا، اللہ پاک نے رہنمائی فرمائی اور ان استاذ کی خدمت میں خط لکھ کر معافی مانگی اور ملاقات نہ ہو سکنے کی وجہ لکھی۔

انہوں نے جواب میں فرمایا: میرے دل میں خیال ہوا تھا کہ مجھے چھوٹا سمجھ کر شاید تم نہیں ملے، لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی، اس کے بعد دعائیہ الفاظ لکھے، حضرت مولانا نے فرمایا: اساتذہ کے احترام ہی کا نتیجہ ہے کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۳۲۶/۱۰

[2] آداب المعاشرت: ص ۲۳۳

تمہارے سامنے ترمذی پڑھا رہا ہوں۔

درس کا یہ عالم تھا کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانے والا پورے ملک میں کوئی نہیں تھا۔[۱]

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا: ایک مثل مشہور ہے "باادب بانصیب" تو واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو آدمی ادب کا اہتمام کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو خوش نصیب قرار دیتے ہیں اور چاہے ادب اساتذہ کا ہو، چاہے والدین کا ہو، چاہے رفقائے درس کا ہو یا عام اہل ایمان اور اہل اسلام کا ہو، چاہے وہ ادب آلاتِ علم کا ہو، چاہے محلِ عبادت اور مسجد کا ہو ادب کا تعلق بہت عام ہے، اس کی رعایت سے آدمی بہت مستقیم بنتا ہے اور اگر آداب کی رعایت رکھ کر نہ چلے تو وہ ہر خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔[۲]

علم بھی قابلِ ادب ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وعظ ہوا (میں اس وقت متوسط درجے کی کتابیں پڑھا کرتا تھا) اور وعظ کا موضوع یہی تھا کہ لوگ بزرگوں کی تو عظمت کرتے ہیں جن کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ والے ہیں اور عبادت گزار ہیں، عابد زاہد ہیں اور جو بڑے علم والے ہیں) چاہے وہ ان کے استاذ ہی کیوں نہ ہوں ان کی عزت وعظمت نہیں کرتے۔

چنانچہ فرمایا: میں یہاں آکر دیکھتا ہوں کہ استاذ کے استاذ کا تو ادب کریں گے اپنے استاذ کا ادب نہیں کریں گے اس لئے کہ استاذ کے استاذ کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ

---

۱ آداب المتعلمین: ص۳۱

۲ مجالس علم وذکر: ۸۲/۲

بزرگ ہیں (اس وقت حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا، جو میرے تو بہت ہی کرم فرما استاذ تھے اور یہ زمانہ وہ تھا جس میں حضرت مولانا شیخ الہند قدس اللہ سرہ حیات تھے اور دارالعلوم میں تشریف فرما تھے)۔

حضرت والا نے فرمایا: تم لوگ مولانا اعزاز علی صاحب کا احترام اتنا نہیں کرتے، حالانکہ وہ تمہارے استاذ ہیں اور حضرت شیخ الہند جو تمہارے براہِ راست استاذ بھی نہیں ہیں ان کا ادب واحترام زیادہ کرتے ہو، وہ ان کے علم کی وجہ سے نہیں کرتے، بلکہ ان کی بزرگی کی وجہ سے کرتے ہو۔

اور حضرت والا نے فرمایا: میں تو دونوں کو قابلِ احترام سمجھتا ہوں ''بزرگی الگ قابلِ ادب ہے اور علم الگ قابلِ ادب ہے'' اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو دین کا علم دیا ہے اور وہ اگرچہ صرف پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، کوئی دوسری عبادت نہیں کرتا اور بزرگوں میں اس کا شمار نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کے اندر نہ ملوث ہو، بلکہ عام مسلمانوں کی طرح نیک مسلمان ہے اور دین کا علم رکھتا ہے تو میں اس کی بھی عزت اور احترام کرتا ہوں[1]

فائدہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے تحصیلِ علم میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں، بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی اُستاذ کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ سے ناراض نہیں ہونے دیا، یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علمِ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے، اکثر اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا[2]

---

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۲۱۷
[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۴۲۸

شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنے استاذ کے بیٹوں کا ادب

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے محمد احمد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے حکیم مسعود احمد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید ہیں، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو چارپائی پر بٹھا رکھا ہے اور خود زمین پر بیٹھے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں:

محمد احمد! آپ میرے استاذ کے بیٹے ہیں۔

مسعود احمد! آپ میرے مربی کے بیٹے ہیں۔

میں نے ان کا حق ادا نہیں کیا، آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اگر آپ کے والدین پوچھیں کہ محمود نے کیا سلوک کیا، تو خدا کے لئے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا۔

یہ سب اس لئے تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی جو معرفت بذریعہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ ملی تھی وہ سمجھتے تھے کہ اس کا احسان میں ادا نہیں کرسکتا ہوں اور ان سے نسبت رکھنے والوں کے سامنے اپنے آپ کو مٹا دیتے ہیں۔[1]

فائدہ: طالبِ علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُستاذ کی اولاد اور اس کے متعلقین کی بھی تعظیم کرے۔

اگر اُستاذ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے اور کسی کی کیفیت و حالت کو دیکھ کر یا کسی غلط بات کے کہنے پر اُستاذ غصہ کرے تو طالبِ علم اس کو برداشت کرے اور اپنی غلطی مان لے، منہ نہ بگاڑے۔[2]

---

[1] مجالس علم وذکر: ۱۸۶/۱

[2] آداب المعاشرت بتصرف: ص ۳۳۲

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ادبِ شیخ

ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک بھنگی اور جمعدار دیو بند آیا، بھنگی اور جمعدار کو ظاہر ہے کہ ہمارے معاشرے میں کیا حیثیت دی جاتی ہے، لیکن بیان کرنے والوں کا کہنا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے اکرام اور اس کی تعظیم میں اس قدر پیش پیش تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہو رہی تھی کہ یہ ایک جمعدار ہے اس کا احترام؟ مولانا خاندانی طور پر بہت عالی نسب تھے اور خاندانی وجاہت بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود ایک بھنگی اور جمعدار کا یہ اکرام اس کی اس قدر رعایت، تو لوگوں سے رہا نہیں گیا۔

انہوں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟

حضرت نے فرمایا: تمہیں نہیں معلوم، یہ تھانہ بھون کا رہنے والا ہے اور تھانہ بھون وہ میرے شیخ حاجی امداد اللہ کا وطن ہے۔

اپنے شیخ کے وطن کی نسبت کی بنا پر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بھنگی کا ادب کرتے تھے۔[1]

فائدہ: رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا: طریقت و شریعت میں ادب کا بہت بڑا مقام ہے، جس کے بغیر منازلِ طریقت طے نہیں ہوسکتیں، جتنا ادب کا خیال ہوگا، اتنا ہی ترقی زیادہ اور پرواز بلند ہوگی اور اگر خدانخواستہ اس میں کچھ کمی ہو تو پھر "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ" کا مصداق تو بن سکتا ہے۔ لیکن اہلِ طریق میں سے نہیں ہوسکتا۔[2]

---

[1] مجالس علم وذکر: ۸۶/۲

[2] مجالس علم وذکر: ۵۳/۲

⑤ کتابوں کا احترام

درسگاہ کے اندر موجود کتابوں کا بھی بہت ادب کریں، بعض طالبِ علم زمین پر کتاب بچھا کر رکھ دیتے ہیں یا کپڑا بچھا لیتے ہیں جو زمین ہی کے حکم میں ہے اور اس پر حدیث یا فقہ کی کتاب رکھ کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ بات کتاب کے ادب کے خلاف ہے، ہم غور کریں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہماری نگاہوں میں کیا قدر و قیمت ہے؟

اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث یا ان کی باتیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان کا بھی ادب اور احترام ہے، حدیث یا فقہ کی کتاب کو کسی اونچی جگہ رکھ کر پڑھنا چاہیئے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کی طرف پاؤں پھیلا کر بھی ہم بیٹھنے سے احتراز کریں کہ یہ بھی کتابوں کے ادب کے خلاف ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا احترامِ قرآن

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے، انہیں فقہ، قضا اور افتاء میں رسوخ اور مثالی ملکہ حاصل تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حفظِ قرآن کے بغیر اپنے درس میں کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حافظِ قرآن تھے، قرآن کا ادب واحترام بھی انہوں نے استاذ سے سیکھا تھا۔

ایک بار کہیں جا رہے تھے، راستہ میں دو آدمی خرید و فروخت کرنے میں جھگڑا

کر رہے تھے، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میری اور تمہاری مثال تو قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا﴾[1]

ترجمہ: ''یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔''

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ سنا تو ان پر غصہ اور افسوس سے ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائیں، جب ذرا یہ کیفیت دور ہوئی تو اس شخص سے بڑے سخت لہجہ میں کہا:

''تو اللہ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا، کلامِ الٰہی کو تو نے معمولی بات چیت بنالیا ہے، قرآن کے پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو نہایت خشوع خضوع اور خوف وہیبت کے ساتھ پڑھے ایسا نہ ہو کہ وہ ناراضگی کا سبب بن جائے، میں تجھ میں یہ کیفیت بالکل نہیں پاتا، کیا تیری عقل جاتی رہی ہے کہ تو نے کلامِ الٰہی کو کھیل کود بنالیا ہے۔''[2]

فائدہ: قرآن مجید کی تلاوت کے وقت قرآن مجید کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کو دل میں رکھے کہ جس کا کلام ہے، دل کو وساوس اور خطرات سے پاک رکھے، معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔

قرآن مجید یاد کر کے بھول جانا اور کھیل کود کی ابتداء تلاوتِ کلام پاک سے کرنا بے ادبی ہے۔[3]

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ مایہ ناز عالم کیسے بنے؟

ایک مرتبہ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے درس کے دوران

---

[1] ص: ۲۳ [2] موفق للمکی: ۲/۲۴۴ [3] باادب بانصیب: ص ۷۲، ۷۳

طلباء سے پوچھا، بتاؤ حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اتنے مایہ ناز عالم کیسے بنے؟

طلباء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جواب دیا۔

جس طالبِ علم کو تفسیر سے شغف تھا اس نے کہا: حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے مفسر تھے، جس طالبِ علم کو حدیث سے مناسبت زیادہ تھی اس نے کہا: حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بلند پایہ محدث تھے، جس طالبِ علم کو اشعار سے لگاؤ تھا اس نے کہا: حضرت کشمیری بڑے اونچے درجے کے شاعر تھے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خاموش رہے۔ طلباء نے عرض کیا: حضرت! آپ ہی اس سوال کا جواب عنایت فرمادیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت کشمیری کیسے بنے؟

آپ نے جواب دیا: ''میں کتابوں کے ادب کی وجہ سے حضرت کشمیری بنا''۔

طلباء نے عرض کیا: حضرت کتابوں کا ادب تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔

فرمایا: جتنا ادب میں کرتا ہوں اتنا ادب شاید نہ کرتے ہوں۔ ''میں نے بغیر وضو کبھی کسی دینی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، مطالعہ کے دوران کتاب کو اپنے تابع کرنے کے بجائے اپنے آپ کو کتاب کے تابع کیا، مثلاً بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا ہوں اور حاشیہ کی عبارت پڑھنی ہو تو میں کتاب کو اپنی جگہ رہنے دیتا ہوں اور خود اپنی جگہ بدل بدل کر چاروں طرف سے حاشیہ پڑھ لیتا ہوں، میں نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے بھی کبھی کتاب کو پاؤں کی جانب نہیں رکھا، ہمیشہ سرہانے کی طرف رکھا ہے''۔ آخر میں فرمایا: کتابوں کے ادب نے مجھے انور شاہ کشمیری بنادیا۔

فائدہ: طالبِ علم کو چاہیے کبھی کسی کتاب پر مستعمل چیز نہ رکھے۔ ایک صاحب کتاب پر دوات رکھنے کے عادی تھے، ان کے استاذ نے دیکھ کر فرمایا: تم اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔

کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر بے کار اور فضول باتیں نہ لکھے[1]

بلا وضو درس میں نہ بیٹھنا

حضرت مولانا سراج احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔

ایک دن درس کے درمیان کوئی جنازہ آگیا، مولانا نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو بہت سے طلبہ وضو کے لئے چلے گئے، نمازِ جنازہ سے واپس آکر لوگوں نے دیکھا کہ مولانا رو رہے ہیں۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا:

"ہم نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حدیث وتفسیر کا سبق بلا وضو کبھی نہیں پڑھا، آج کل کے طلبہ بلا وضو یہ اسباق پڑھتے ہیں[2]"

فائدہ: طالبِ علم کو چاہیے کہ دینی کتابوں کا ادب واحترام کرے اور کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے، کسی کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے، تفسیر کے نیچے حدیث کی کتاب اور حدیث کی کتاب کے نیچے فقہ اور فقہ کی کتاب کے نیچے دوسرے فنون کی کتابیں رکھے، کتاب اٹھانی ہو تو ادب سے اٹھائے اور کسی کو دینی ہو تو پھینک کر نہ دے[3]

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تنبیہ

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں مورخہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ کو جب مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی

---

[1] باادب بانصیب: ص ۱۲۰

[2] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص ۱۱۵

[3] باادب بانصیب: ص ۱۱۹

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دورانِ گفتگو ارشاد فرمایا: دیو بند میں ایک مرتبہ میں لیٹے ہوئے کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ میرے (مولانا بدر عالم صاحب کے) کمرہ کے سامنے سے گزرے، مجھے دیکھ کر نہایت غصہ کا اظہار کیا اور ناراض ہوئے، بس صرف اتنا فرمایا:

''میں نے عمر بھر بغیر تپائی کے کتاب نہیں رکھی۔''

آخری ایامِ مرض میں حضرت شاہ صاحب سامنے رومال بچھا کر کتاب رکھتے تھے۔[1]

فائدہ: جب کسی کام میں اس کے آداب وحقوق کی رعایت کی جاتی ہے تو اس میں خیر و برکت ہوتی ہے، بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس طرح استاذوں کا ادب اور احترام ضروری ہے اسی طرح دینی علوم حاصل کرنے والوں کے لئے دینی کتابوں کا احترام کرنا ضروری ہے، ادب واحترام سے علم خوب سمجھ میں آتا ہے اور علم سے عمل کی توفیق ہوتی ہے اور جو لوگ کتابوں کا احترام نہیں کرتے وہ علم کی روشنی سے محروم رہتے ہیں، بے ادب محروم شد از فضلِ رب، پہلے دینی کتابوں کی عظمت دل میں قائم کریں اور پھر دینی کتابوں کو ادب واحترام کے ساتھ رکھیں اور اٹھائیں، کتابوں کو نہ پٹخیں بلکہ آہستہ سے رکھیں، جس طرح کانچ کے پیالہ کو رکھا جاتا ہے، دائیں ہاتھ میں کتاب کو اٹھائیں اور تھیلی کی طرح لٹکائیں نہیں، بلکہ سینے سے ملالیں۔[2]

[1] نصائح عزیزیہ: ص ۹۰

[2] تحفۃ الطلباء والعلماء: ص ۲۶۷

❻ اہلِ علم کی تواضع اور انکساری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال واقوال میں بندگی کا اظہار ہوتا تھا، عجز و انکساری، تواضع ومسکنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہر ہر گوشہ میں نظر آتی ہے اور عبدیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ انسان اپنے مالک کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرے اور اپنی زندگی کو اس کی مرضی کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے اور اس کی رضا اور فیصلے کے سامنے ہر وقت سرِ تسلیم خم کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین پھر ائمہ سلف اور علماء ہند میں اس تواضع اور انکساری کا وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی تواضع

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم وفضل کا کیا ٹھکانہ! لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا۔ مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے، مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہوئے اور حدیث:

"فَقِیْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ"

پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ:

"ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔"

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر کہا:

''یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کا جوابی ردِ عمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا اندازِ بیان توہین آمیز ہی نہیں، اشتعال انگیز بھی تھا، لیکن اس شیخِ وقت کا طرزِ عمل سنیئے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر:

مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا: ''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا، خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی، یعنی آپ کی شہادت۔''

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرما دیا، اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرزِ استفادہ پوچھا کہ ''غلطی کیا ہے؟ تا کہ آئندہ بچوں''۔

انہوں نے فرمایا: ''اَشَدُّ'' کا ترجمہ ''اَثْقَلُ'' (زیادہ بھاری) نہیں، بلکہ ''اَضَرُّ'' (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔'' مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے:

''یَاتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّ عَلَیَّ.''

تَرجَمَہ: ''کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔''

کیا یہاں بھی ''اَضَرُّ'' (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟

اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔[1]

فَائِدَہ: یہ ہے تواضع کی حقیقت، ارے جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے،

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۸۹

تو پھر انسان تو انسان، آدمی اپنے آپ کو جانوروں سے کمتر سمجھنے لگتا ہے۔"[1]

مزاج کی رعایت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسرِ محترم جناب مولانا محمود صاحب رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ، رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت و ریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا اور تمام اکابرِ دیوبند سے ان کے تعلقات تھے۔

جب یہ تعلیم حاصل کرنے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو "چھوٹی مسجد" کے نام سے معروف تھی، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔

ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رام پوری کھڑے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا، اس لئے ان سے پوچھا کیسے آئے ہو؟

انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے حجرے میں مقیم ہوں۔ حضرت حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی، وہاں ان کے سونے کے لئے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا، اس وقت تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ کر تشریف لے آئے، لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں، انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔

چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف

---

[1] اصلاحی خطبات: ۳۰/۵

چلے، وہاں سے فاصلہ کافی تھا، لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اسی حالت میں گلیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے، اس وقت مولانا محمود صاحب مسجد سے نکل رہے تھے، یہاں پہنچ کر شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہند نے اتنی تکلیف اٹھائی، چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

"لو میاں یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں[1]"

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے تواضع کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا: تواضع یہ ہے کہ تو اپنے مرتبہ سے نکل جائے اور جب تو کسی مسلمان سے ملاقات کرے تو اس کو اپنے سے افضل خیال کرے[2]۔

اوقاتِ مدرسہ میں اکابر کی احتیاط

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ (جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں) کا یہ معمول میری جوانی میں عام طور سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب مولانا قدس سرہ کا کوئی عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا، اس پر تاریخ اور منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے۔

وہ ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصفِ یوم سے کم ہوتا تو آدھ روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے،

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۲۲

[2] نضرۃ النعیم: ۳/۳۴۲

البتہ اگر کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تھا یا مدرسہ کے کسی کام آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے۔[1]

شیخ المشائخ مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاط

اسی طرح حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری، ترمذی کتبِ حدیث کے محشّی اور مشہور عالم ہیں۔ جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا الحاج احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد و خرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا، وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا۔

اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میری سفر سے نیت دوست سے ملنے کی تھی چندہ کی نہیں تھی، اس لئے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ حساب سے کاٹ لیا جائے۔[2]

فائدہ: ان حضرات کے پیشِ نظر ہر وقت یہ بات رہتی تھی کہ مدرسہ کا وقت امانت ہے اور امانت میں خیانت ہوگی اگر مدرسہ کا وقت کسی اور کام میں لگا دیں، ہمیں بھی چاہیے کہ مدرسے کے وقت اور مدرسہ کی دیگر چیزوں کتابوں، تپائیوں، کمروں اور درسگاہوں کو امانت سمجھتے ہوئے ان سب چیزوں کی حفاظت اور ان سب چیزوں کا صحیح استعمال کریں۔[3]

بازار کے کھانے سے پرہیز

امام جلیل محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ طلبِ علم کے دوران بازار کا کھانا نہیں

---

[1] آپ بیتی: ۱/۲۷

[2] آپ بیتی: ص ۲۷ [3] العلم والعلماء: ص ۵۵

کھاتے تھے اور ان کے والد دیہات میں رہتے تھے، وہاں سے ہر جمعہ کو کھانا تیار کر کے لایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ والد صاحب نے صاحبزادہ کے کمرہ میں بازار کی روٹی دیکھی تو غصہ کے مارے صاحبزادہ سے بات بھی نہیں کی، صاحبزادہ نے اپنا عذر بیان کیا کہ نہ تو میں نے یہ روٹی خریدی ہے اور نہ خریدنے پر راضی تھا، بلکہ میرے ایک ساتھی نے لا کر دی ہے۔

والد صاحب نے فرمایا: گر تم اس قسم کی چیزوں سے پرہیز کرتے ہوتے تو تمہارے ساتھی کو اس کی جرأت نہ ہوتی۔[۱]

فَائِدَة: حضرت شیخ المشائخ مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے تقویٰ کی ایک قسم بیان کرتے ہوئے فرمایا: انہماک فی المباحات سے بچا جائے، یہ بڑا عجیب گناہ ہے، مباحات کے اندر غلو اور انہماک..... مثلاً کھانے کا بہت زیادہ اہتمام کہ ہر وقت اسی فکر میں ہے، ایسا عمدہ کھانا ہو، ایسا لذیذ ہو یا لباس کے بارے میں اس طرح کا اہتمام کیا جائے کہ لباس ایسا ہونا چاہیئے اور اسی کے لئے ہر وقت تدابیر کی جائیں، غور کیا جائے۔[۲]

تواضع کی انتہاء

مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا معین الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ معقولات کے مسلم عالم تھے، انہوں نے شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہرت سن رکھی تھی، ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان پر پہنچ گئے۔

---

[۱] تعلیم المتعلّم: ص ۶۷

[۲] مجالس علم و ذکر: ۲/۲۲

گرمی کا موسم تھا، وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے، مولانا معین الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا: ''مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے۔''

وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے، آرام سے بٹھایا اور کہا: ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔''

مولانا اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ منتظر رہے، اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا، اس کے بعد مولانا اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ''حضرت مولانا محمود حسن کو اطلاع دیجیے۔''

ان صاحب نے فرمایا: ''آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں'' تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا، مولانا اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ''میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ انہیں اطلاع کر دیجیے۔''

ان صاحب نے فرمایا: ''انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔'' مولانا اجمیری نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔

جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری برہم ہوگئے اور فرمایا: ''آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں، میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے، ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کروائی'' اس پر وہ صاحب بولے:

''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔''

مولانا معین الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند کیا چیز ہیں۔[1]

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۲۱

فَائِدَہ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خشوع اور تواضع کے آثار یہ ہیں جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے، غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو اور بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے اور فرمایا: ایسی گمنامی کے ساتھ زندگی بسر ہو کہ کام تو سب ہوں، مگر کسی کو خبر نہ ہو اور فرمایا: بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنے۔[1]

سنتوں پر عمل کا اہتمام

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے، تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرفِ زیارت کے لئے گئے، حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ کے دیوبند تک ساتھ گئے، ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے، جن کو ضرورتِ فراغت لاحق ہوئی، وہ رفعِ حاجت کے لئے گئے اور اُلٹے پاؤں بادلِ ناخواستہ واپس ہوئے۔

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سمجھ گئے، فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں اِدھر اُدھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر بیت الخلاء میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا، اور ہندو دوست سے فرمانے لگے: جائیے بیت الخلاء تو بالکل صاف ہے۔

نوجوان نے کہا: مولانا میں نے دیکھا ہے، بیت الخلاء بالکل بھرا ہوا ہے، قصہ مختصر، وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بالکل صاف تھا، بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو مجھ سے باہر ہے۔

اسی ڈبہ میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم بیٹھے تھے، انہوں نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟

---

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۵۲۹

جواب ملا کہ یہ حسین احمد مدنی ہیں۔ تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہوکر حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کیا بات ہے؟

تو خواجہ صاحب نے کہا سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا، اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرت نے فرمایا: میرے بھائی میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کردیا تھا، صبح جلدی اُٹھ کر چلا گیا، جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے بستر دھو رہے ہیں، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہوگیا[1]۔''

فائدہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت ابن عطاء اللہ اسکندری رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بزرگ اور حکیم ہیں، ان کا ایک ملفوظ ہے: جب تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروگے، اتنا ہی بھلائی کی طرف چلوگے، جتنی اتباع سے دوری ہوگی، اتنی ہی ہلاکت ہوگی، فرمایا: اللہ کے نزدیک آج قبولیت کے دروازے بند ہیں بجز اتباعِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور آج کوئی نجات نہیں پاسکتا بغیر کامل اتباع کے[2]۔

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

مولانا محمود صاحب رام پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: ایک مرتبہ میں اور

---

[1] خزینہ: ص ۱۵۴

[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۷۹

ایک ہندو تحصیلِ دیوبند میں کسی کام کو گیے، میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گیے تو رات کو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے کمرے سے تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔

میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے شروع کیے، وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا: حضرت! آپ تکلیف نہ کریں، میں دباؤں گا۔

مولانا نے فرمایا: تم جا کر سوؤ، یہ میرا مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔[1]

فائدہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمارے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے متعلقین اور ان کے مریدین کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے، یعنی فنا، اس لئے ان کے اندر حبِ جاہ نہیں ہوتا اور جس میں یہ چیز نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلے سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا، تعلّی نہیں ہوگی، دعویٰ نہیں ہوگا، اپنے آپ کو اونچا سمجھنے کا شائبہ نہیں ہوگا۔[2]

---

[1] خزینہ: ص ۱۲۶

[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۵۲۳

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تواضع

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا: ''جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔'' تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا:

''آپ کو چاہیے کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فَوَاتِحُ الرَّحَمُوْت شَرْحُ مُسَلَّمِ الثُّبُوْت میں علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تواترِ معنوی کا انکار کیا ہے۔''

اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا، سب کو پریشانی ہوئی کہ فَوَاتِحُ الرَّحَمُوْت اس وقت پاس نہیں ہے، اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوری رحمہ اللہ تعالیٰ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے، فرماتے ہیں:

''ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی، مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناظمِ مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟''

لیکن اس حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی آواز گونجی:

''جج صاحب! لکھیے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ دراصل یہ فرماتے ہیں:

حدیث: ''لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ'' تواترِ معنوی کے

رُتبے کو نہیں پہنچی، لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے تواترِ معنی ہونے کا انکار فرمایا ہے، نہ کہ تواترِ معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے، ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔"

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں، میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہوں گا۔[1]

فائدہ: حضرت مولانا عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہمارے اکابرینِ دارالعلوم کے طبقے میں مخصوص تھی جو دنیا کے علماء اور درویشوں میں سب سے زیادہ امتیاز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، وہ یہ کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فنا کر دینا اور کچھ نہ سمجھنا اور دُنیا کی محبت چھوڑ دینا اور خاص طور پر جاہ کی محبت چھوڑ دینا (آدمی کے دل میں اپنی بڑائی اور اس بڑائی کی محبت نہ رہے) یہ چیز صرف اپنے بزرگوں میں دیکھی، یہ بات کہیں اور نظر نہ آئی۔[2]

مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے،

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ص ۹۲

[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۵۲۳

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہما اللہ تعالیٰ کے استاذ اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد تھے۔

ہدایۃ النحو پڑھتے تھے، ایک استاذ کے پاس گئے، اتنے غبی تھے کہ وہ استاذ کہتے کہ کل کو میرے پاس نہیں آنا، دوسرے کی منت سماجت کرتے اس کے پاس جاتے ایک دو دن کے بعد وہ بھی کہتے بھائی وقت ضائع نہ کرو، یہاں نہیں آنا۔ انتہائی مایوسی کے عالم میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں گئے اور ان سے عرض کیا کہ حضرت میں پڑھنے کے لئے آیا ہوں لیکن کوئی استاذ پڑھاتے نہیں، ایک دو سبق پڑھاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ تم ہمارا وقت خراب کرنے کو نہ آیا کرو، تم کچھ سمجھتے ہی نہیں تو کیوں خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کل کو میرے پاس آنا۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدایۃ النحو کا صرف ایک سبق پڑھایا اور فرمایا: اب جس استاذ کے پاس جاؤ، جا کر پڑھو، پڑھائے گا۔

پھر جہاں بھی پڑھنے گئے تو ہر ایک نے کہا یہ قابل، ذی استعداد اور ذکی طالب علم ہے، یہ تو میرے پاس پڑھے تو بہت اچھا ہے۔[1]

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کو نمایاں اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح انتظام کر دیتے ہیں، آپ تواضع کو اپنا شعار بنائیں، انکساری اور اس کے ساتھ وقار آپ کی پہچان ہو، اخلاق واعمال کا اہتمام لازمی سمجھیں۔[2]

میں نہیں جانتا

۱۹۵۴ء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور تشریف لے گئے،

[1] مجالس علم وذکر: ۱۷۶/۲ [2] مجالس علم وذکر: ۱۷۷/۲

اسی دوران جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کا امتحان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، اس زمانہ کے طالب علم مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے دورانِ امتحان مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بات دریافت فرمائی۔ انہوں نے اپنی طبعی نیکی اور روایتی سادگی کے ساتھ بے تکلف کہا:

''حضرت مجھے یہ بات معلوم نہیں۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: میں تمہاری اس بات پر ایک نمبر تمہیں زیادہ دیتا ہوں، چونکہ تم نے ایسی بات کہی جو اہلِ علم کے کہنے کی ہے، مگر عام طور پر وہ نہیں کہتے اور باوجود کسی بات کے نہ جاننے کے اس بارے میں اپنا عالم ہونا ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ اپنے جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

''عَلِّمُوْا اَصْحَابَكُمْ قَوْلَ لَا اَدْرِیْ.''

تَرْجَمَہ: ''اپنے ساتھیوں کو ''لَا اَدْرِیْ'' (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔[1]''

فَائِدَہ: سلفِ صالحین کی طرح ہمارے حضرات اکابر کا رویہ سائل کا جواب دینے میں بہت محتاط تھا، ''لَا اَدْرِیْ'' کہہ کر خوش ہوتے تھے، شہرت و ناموری سے گھبرایا کرتے تھے، یہ قیمتی آداب اسی لئے ظاہر ہوتے تھے کہ اُن پر نفسانیت و انانیت کی بجائے عاجزی و انکساری کا غلبہ تھا، یہی آدابِ عالیہ و اخلاقِ فاضلہ ان کا سرمایہ تھا، جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آج ہمارے لئے ان کا عمل سرمایۂ ہدایت و نمونہ بنا دیا۔[2]

تواضع اور انکساری کے حصول کے لئے اس دعا کا اہتمام کریں:

---

[1] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص۲۱۸

[2] باادب بانصیب بتصرف: ص۲۹۵

''إِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِي وَفِي نَفْسِي لَكَ رَبِّ فَذَلِّلْنِي وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ فَعَظِّمْنِي وَمِنْ سَيِّئِ الْأَخْلَاقِ فَجَنِّبْنِي.''[1]

ترجمہ: ''اے میرے رب! تو مجھے اپنی بارگاہ میں پسند فرمالے، اے میرے رب! اپنے لئے مجھ کو میری نظروں میں ذلیل رکھ اور دوسروں کی نظروں میں عزت والا کر دے اور برے اخلاق سے مجھے محفوظ رکھ۔''

---

[1] کنزالعمال: ۱/۱۹۶

⑦ اچھے اخلاق

انسان کے اندر اچھے اخلاق ہونے چاہئیں۔ اس میں تکبر نہ ہو، انکساری اور تواضع ہو، حسد اور کسی کے ساتھ بغض نہ ہو، بلکہ لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ ہو اور اسی طرح ریاکاری نہ ہو، اللہ کے لئے کام کیا جائے اور اس کی رضا کو مقصد بنایا جائے وغیرہ وغیرہ، اچھے اخلاق کو اختیار کیا جائے اور برے اخلاق سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ

تفسیر دُرِّ منثور میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے یہ سوال کیا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی سخت جھگڑا ہے، ایک دوسرے کو ترک کہتے ہیں، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہیں کہہ دوں گا کہ جاؤ ان لوگوں سے قتال کرو، ہرگز نہیں، جاؤ ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، قبول کریں تو بہتر اور نہ کریں تو ان کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ۔[1]

فائدہ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بڑی ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے، یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر ہے، اپنی خبر نہیں، میرے ماموں صاحب فرمایا کرتے کہ: ”بیٹا! دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت کہیں اپنی

[1] تفسیر درمنثور: ۳/۲۰۰، المائدة الآية: ۱۰۵

گھڑی نہ اٹھا دینا۔'' واقعی بڑی کام کی بات فرمائی

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر　　رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر　　تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا[1]

اپنی حقیقت کو نہ بھولو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے:

''بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا، اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ انہیں آزمائے۔

چنانچہ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے کہا: تم کیا پسند کرتے ہو؟

اس نے کہا: خوب صورت رنگ، خوب صورت جلد، کیوں کہ لوگوں نے مجھے اس مرض کی وجہ سے دھتکار دیا ہے۔

فرشتہ نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا سارا مرض جاتا رہا اور اسے خوب صورت رنگ اور خوب صورت جلد عطا کر دی گئی۔

پھر اس سے کہا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟

کہنے لگا: اونٹ یا گائیں (یہ راوی کا شک ہے ان میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے، لیکن یہ شک ہوگیا کہ کس نے کیا کہا) غرض اسے دس بچوں والی اونٹنیاں عطا کر دی گئیں اور فرشتہ نے اسے دعا دی کہ ''تمہارے لئے اس میں برکت ہو''۔ پھر وہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: خوب صورت بال چاہتا ہوں تاکہ مجھ سے یہ مرض زائل ہو جائے

---

[1] ملفوظات حکیم الامت

کہ اس کی وجہ سے لوگوں کا دھتکارا ہوا ہوں، فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض زائل ہوگیا اور اسے خوب صورت بال عطا ہوگئے۔

پھر اس سے کہا: تجھے مال کون سا پسند ہے؟

کہنے لگا: گائیں! اس نے اسے ایک حاملہ گائے دے دی اور کہا: تمہارے لئے اس میں برکت ہو۔

پھر وہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟

کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔

پھر اس سے پوچھا کہ مال کون سا پسند ہے؟

کہنے لگا: بھیڑ بکریاں! چنانچہ اسے ایک بچہ جننے والی بکری دے دی گئی۔

پہلے دونوں کے جانوروں نے بھی بچے دیئے اور اس اندھے کی بکری کے ہاں بھی بچے پیدا ہوئے اور اتنی برکت ہوئی کہ پہلے کے پاس اونٹوں سے بھری ایک پوری وادی ہوگئی۔ دوسرے کے پاس گایوں سے ایک وادی بھر گئی اور تیسرے کے پاس بھیڑ بکریوں کی ایک وادی ہوگئی۔

پھر (ایک عرصہ گزر جانے کے بعد) وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس اس کی سابقہ شکل وصورت میں (کوڑھی بن کر آیا) اور اس سے کہا: میں ایک مسکین آدمی ہوں، سارا اسباب وسامانِ سفر راستہ میں ختم ہوگیا، آج اللہ کے سوا اور پھر تمہارے سوا کوئی منزل پر پہنچانے والا نہیں ہے، تمہیں اس ذات کا واسطہ جس نے تمہیں خوب صورت رنگ اور حسین جلد عطا کی ہے اور تمہیں (اونٹوں کی صورت میں) مال بھی عطا کیا ہے، میں تم سے صرف ایک اونٹ مانگتا ہوں، تاکہ میرا سفر پورا ہو جائے۔

وہ کہنے لگا: مجھ پر بہت سے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں؛ (میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا) فرشتہ نے کہا: شاید میں تمہیں پہچان رہا ہوں، کیا تم کوڑھی نہ تھے، تمہیں لوگوں

نے دھتکار دیا تھا، تم فقیر نہیں تھے، پھر اللہ نے تمہیں مال عطا فرمایا؟

کہنے لگا: میں تو اس مال کا باپ دادا سے وارث ہوں۔

فرشتہ نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کردے جیسا کہ تو تھا۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس اس کی سابقہ صورت میں آیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو کوڑھی سے کہی تھی اور اس نے بھی وہی جواب دیا، فرشتے نے اسے بھی (بددعا دی) اور کہا:

''اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے تیری سابقہ حالت پر لوٹا دے۔''

اس کے بعد فرشتہ نابینا کے پاس اس کی سابقہ صورت میں آیا اور اس سے کہا: ''میں ایک مسکین آدمی ہوں، مسافر ہوں، جس کا سارا اسباب و سامانِ سفر راستہ میں ختم ہو گیا ہے، آج اللہ کے سوا اور آپ کے سوا کوئی مجھے منزل پر پہنچانے والا نہیں ہے، میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی لوٹائی ہے، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں، تاکہ اپنا سفر پورا کرسکوں۔

اس نے کہا: ''بلاشبہ میں اندھا تھا، اللہ نے میری بصارت لوٹا دی، میں فقیر و مفلس تھا، اللہ نے مجھے غنی کر دیا (یہ اس کا دیا ہوا مال ہے) تم جتنا چاہو لے لو۔ اللہ کی قسم! آج میں تم سے کسی چیز کے بارے میں تنگی اور سختی نہ کروں گا، جو تم اللہ کے لئے اس میں سے لوگے۔

فرشتہ نے کہا: اپنا مال اپنے ہی پاس رکھو، بلاشبہ تم سب کا امتحان لیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔[۱]''

فائدہ: مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوش حالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اب اگر کسی امت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۴۹۲/۱

نعمتوں پر شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اُس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دولت سے بہرور فرمایا اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت وعلم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں اور یہ صبر و شکر اسی کے ثمرات ہیں۔[1]

میں فلاں ابنِ فلاں ہوں، تو کون ہے؟

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک بار دو افراد نے ایک دوسرے کے نسب کی تحقیق شروع کردی، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا:

میں فلاں ابنِ فلاں ہوں، تو کون ہے، تیری ماں نہ رہے؟ (یہ ایک استخفافی کلمہ ہے جس سے بددعا دینا مقصود نہیں ہوتا، جیسے اردو میں کہا جاتا ہے تیرا ستیاناس ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بات سنی تو) فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں (بھی) دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے نسب کی تحقیق کرنی شروع کردی تھی، ان میں سے ایک نے کہا: میں فلاں ابنِ فلاں ہوں یہاں تک کہ اپنے آباء اجداد میں سے نو نام گنوا دیئے اور تو کون ہے، تیری ماں نہ رہے؟

(دوسرے نے جواب میں) کہا: میں فلاں بن فلاں بن اسلام ہوں (یعنی میرا نام یہ ہے اور میرے والد فلاں تھے اور وہ اسلام کے بیٹے تھے یعنی مسلمان تھے)۔

تو اللہ تعالیٰ نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ یہ دونوں

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۳۰۶

نسب بیان کرنے والے، ان میں سے وہ جس نے نو تک اپنے آباء و اجداد شمار کرائے وہ نو کے نو جہنم میں ہیں اور ان کا دسواں یہ ہے، اور اے وہ شخص جس نے دو تک اپنا نسب بیان کیا تو وہ دونوں جنت میں ہیں اور تو ان کا تیسرا ہے جنت میں[1]۔"

فَائِدَة: حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کبر کے تین درجے ہیں۔

❶ کبر دل میں ہو، افعال سے ظاہر نہ ہو، یہ استکبار ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ.﴾

تَرْجَمَة: "وہ (اللہ تعالیٰ) غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

❷ دل میں بھی ہو، افعال سے بھی ظاہر ہو، یہ مختال ہے۔

❸ دل میں ہو، افعال سے ظاہر کرتا ہو اور زبان سے بھی کہتا ہو، یہ فخور ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.﴾

تَرْجَمَة: "کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا[2]۔"

اللہ والوں کا طریقہ

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذِ مکرم حضرت مولانا سیّد احمد صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بچپن میں یہ حالت تھی کہ، جب کھیل میں لڑکے ان کو گالیاں دیتے تو وہ جواب میں گالیاں نہ دیتے تھے، بس بڑا جواب یہ تھا کہ "تم ہی ہوگے ایسے۔"

کیا مزے کا جواب ہے اور یہ بھی بچپن میں تھا کہ اتنا جواب دے دیتے تھے اور بعد میں اتنا بھی نہ تھا۔ یہ طریقہ رہا ہے اہل اللہ کا[3]۔

---

[1] مسند احمد: ۱۲۸/۵، رقم: ۲۰۶۷٤

[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۲۹۸

[3] خطبات حکیم الامت: ۱۸۰/۲۹

فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں: اللہ جب کسی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو وہ نیک لوگوں کی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ جب کسی کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں تو وہ کسی عیب دار کو بھی برا نہیں کہتا۔[1]

بہترین اور بدترین

حضرت لقمانِ حکیم کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا: بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس کے دل اور زبان آقا کے پاس لے گئے، آقا نے پھر حکم دیا ایک اور بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی دل اور زبان اس کے پاس لے کر گئے۔

آقا نے پوچھا: میں نے بہترین حصے طلب کیے تو تم یہی لائے، بدترین طلب کیے تب بھی یہی لائے۔

حضرت لقمانِ حکیم نے فرمایا: میرے آقا! دل اور زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہو سکتا، یہ بہتر رہیں تو بہترین ہیں، بدتر ہو جائیں تو بدترین ہیں۔[2]

فائدہ: یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور یہ بولنے کی ایک ایسی مشین دے دی ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے، نہ اس کی سروس کی ضرورت، نہ پٹرول کی ضرورت، نہ اوور ہالنگ کی ضرورت، لیکن یہ مشین تمہاری ملکیت نہیں ہے،

---

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۳۸۳

[2] کتابوں کی درس گاہ میں: ص ۷۱

بلکہ تمہارے پاس امانت ہے، یہ سرکاری مشین ہے، جب یہ امانت ہے تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا، بلکہ جو بات اللہ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، دوسری باتیں مت نکالو[1]

سچ کی برکت

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ان پر حجاج بن یوسف نے جو عراق کا گورنر تھا بہت ظلم کیے۔

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف آپ کو پکڑنے کے لئے چلا، جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ اپنے حجرے سے نکل کر سیدھے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ میں آکر چھپ گئے، یہ بھی بہت باکمال بزرگ تھے، حجاج بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے وہاں آپہنچا اور حضرت حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

"کیا تم نے حسن بصری کو دیکھا ہے؟"

آپ نے جواب دیا: ہاں اندر میری عبادت گاہ میں چھپا ہوا ہے۔ حجاج اندر گیا، مگر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہیں نہ پاسکا اور باہر آکر حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا:

"تو نے جھوٹ کیوں بولا ہے حسن بصری تو اندر نہیں ہے؟"۔

آپ نے فرمایا:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے جھوٹ نہیں بولا، وہ اندر ہی ہیں۔"

اس طرح حجاج دو تین بار اندر گیا اور ہر طرف حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] اصلاحی خطبات: ۴/۱۴۷

کو تلاش کیا، مگر آپ اُسے کہیں نظر نہ آئے، آخر تھک ہار کر وہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ باہر آئے اور فرمایا:

"اے حبیب! میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری برکت سے مجھے گرفتار ہونے سے بچالیا۔"

حضرت حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

"نہیں میری برکت سے نہیں، بلکہ یہ میرے سچ بولنے کا پھل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو ہم دونوں کو وہ رُسوا کرتا۔[1]"

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا: صادقین وہ لوگ ہیں جن کی نیت دُرست ہو اور ان کا قول بھی صحیح اور سچا ہو۔ سچی نیت والوں کی باتیں سچی اور اخلاص سے بھی پر ہوتی ہیں، اسی طرح ان کا عمل بھی سچا ہوتا ہے اور وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے تڑپتے ہیں۔ ایسے لوگ جو صادق النیت، صادق القول اور صادق العمل ہوں آپ ان کی معیت اختیار کیجیے تقویٰ خود بخود آجائے گا۔[2]

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے والد کی عجیب نصیحت

گلستان کے بابِ دوم میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میں "ایامِ طفولیت میں رات دن عبادت میں مشغول رہتا تھا اور قرآن شریف کو ہر وقت بغل میں رکھتا تھا، ایک شب اپنے والد کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک گروہ لوگوں کا سو رہا تھا۔

میں نے اپنے والد سے کہا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ایسے سوئے ہیں گویا کہ مر گئے ہیں، کاش! یہ لوگ بھی جاگتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳۹۰/۵

[2] مجالس علم و ذکر: ۳۰۸/۱

میرے والد نے کہا: جانِ پدر! اگر اس وقت تم بھی سوتے اور عبادت نہ کرتے تو بہتر تھا کہ اس غیبت سے بچتے اور عیب بیان کرنے سے نجات پاتے۔[۱]"

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا:

"مَا اغْتَبْتُ أَحَدًا قَطُّ مُنْذُ عَلِمْتُ أَنَّ الْغِيْبَةَ حَرَامٌ. لَأَرْجُوْ أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ وَلَا يُحَاسِبُنِيْ أَنِّيْ اغْتَبْتُ أَحَدًا"

ترجمہ: "جب سے مجھے پتہ چلا ہے کہ غیبت حرام ہے تو اس سے بچا ہوں، امید ہے کہ اللہ اس کے بارے میں سوال نہیں کریں گے۔[۲]"

خلیفہ کی معافی

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک مرتبہ ایک شخص کو غصے میں بہت سی گالیاں دے ڈالیں، وہ شخص خاموشی سے گالیاں سنتا رہا، جب خلیفہ ذرا خاموش ہوا تو اس نے کہا:

"امیر المومنین! آپ کو ایسی گندی گالیاں دیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ کیا اللہ نے آپ کو حکومت اس لئے دی ہے کہ اپنی رعیت کو گالیاں دیں؟"

ہشام کا غصہ اب اُتر چکا تھا، اس شخص کی باتیں سن کر بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا:

"بھائی تم بھی مجھے گالیاں دے کر اپنا بدلہ لے لو۔"

اس شخص نے جواب دیا:

"امیر المومنین! گالیاں دے کر میں بھی وہی غلطی کروں گا جو آپ نے

---

۱ گلستان سعدی: باب ۲ ص ۷۱

۲ مقدمہ فتح الباری: ۶۶۵/۱

کی ہے، میں تو منہ سے گالی نکالنے کو گناہ سمجھتا ہوں۔"

ہشام نے کہا:

"اچھا تو اس کے بدلے میں جتنا روپیہ چاہو، مجھ سے لے لو۔"

وہ شخص بولا:

"جناب روپیہ تو گالیوں کا بدلہ نہیں ہوسکتا۔"

ہشام نے کہا:

"بھائی پھر مجھے اللہ کے لئے معاف کر دو۔"

اس شخص نے کہا:

"ہاں یہ ٹھیک ہے، میں نے آپ کو اللہ کے لئے معاف کیا۔"

ہشام نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا:

"اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی کسی کو گالی نہیں دوں گا۔[1]"

فائدہ: حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ[2]"

ترجمہ: "مسلمان کو گالی دینا بدترین فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: اسی طرح اگر غصے کے نتیجے میں دوسرے کو طعن و تشنیع کر دی، جس سے دوسرے انسان کا دل ٹوٹ گیا اور اس کی دل شکنی ہوئی تو یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

---

[1] الکامل لابن الاثیر: ۲۶۳/۵

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ماینھی من السباب واللعان: ۸۹۳/۲

[3] اصلاحی خطبات: ۲۶۲/۸

فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا، وہ دوسری بستی میں تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو اس کا منتظر بنا کر بٹھا دیا، جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

اس نے کہا: اس بستی میں میرا (مسلمان) بھائی ہے اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے کہا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟

وہ کہنے لگا: نہیں! (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اللہ عزوجل کے لئے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا: بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ) ''یقیناً اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔[۱]''

فائدہ: اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑا پیار ہے، آپ اس کا تجربہ کر لیں، کسی نے اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کوئی چیز بنائی، وہ چیز پتھر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس بنانے والے کو اس بنائے ہوئے پتھر سے محبت ہو جاتی ہے کہ اس پتھر کے بنانے میں وقت لگایا ہے، میں نے محنت کی ہے، یہ میری دولت ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بنایا اور ان کو پیدا کیا ہے، اس لئے ان کو اپنی مخلوق سے محبت ہے، لہٰذا اگر اللہ سے محبت کا دعویٰ ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرنی ہوگی۔[۲]

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الحب فی اللہ: ۳۱٦/۲

[۲] اصلاحی خطبات: ۲۲۳/۸

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تحمل

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا، تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی، "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ." (غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں)۔

یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، بالکل خاموش ہوگئے، اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ "وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" (اور لوگوں سے درگزر کرنے والے) پڑھ دیا، تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے معاف بھی کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا، "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں) جس میں احسان اور حسنِ سلوک کی ہدایت ہے۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ سن کر فرمایا: جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔[1]

فائدہ: رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے، اگرچہ انصاف کے ساتھ غلطی پر سزا دینا جائز ہے لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ سزا دینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔[2]

---

[1] روح المعانی: ۵۹/۳، النساء الآیۃ: ۱۳۴

[2] معارف الحدیث: ۱۸۳/۲، ۱۸۵

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی بردباری

ایک شخص نے بھرے بازار میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اور گالیاں دی، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے غصہ کو ضبط فرمایا اور اس کو کچھ نہیں کہا گھر پر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی۔

وہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کا یہ خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دے دیں، میں اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔

امام صاحب کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا، آئندہ کو اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہوگیا، حضرت امام صاحب سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا، یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کرلی۔[1]

فَائِدَة: جب بھی دل میں یہ ہیجان اور غصہ والی کیفیت پیدا ہو تو پہلا کام وہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر تلقین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ﴾[2]

تَرجَمَۃ: "جب تمہیں شیطان کوئی کچوکہ لگائے تو (شیطان مردود سے) اللہ کی پناہ مانگو۔"

غصہ کے وقت دوسرا کام وہ کرو جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے۔

---

[1] معارف القرآن: ۴/۱۹۰

[2] الاعراف: آیت ۲۰۰

"جب طبیعت میں غصے کی تیزی ہو تو اس وقت اگر تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر پھر بھی غصہ میں کمی نہ آئے تو لیٹ جاؤ"۔ [1]

ایک تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس وقت یہ سوچے کہ جس طرح کا غصہ میں اس آدمی پر کرنا چاہتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اس طرح کا غصہ کردے تو پھر اس وقت میرا کیا حال ہوگا۔ [2]

بے مثال قربانی

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت ابراہیم تیمی رحمہما اللہ تعالیٰ، یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں۔ ظالمِ امت حجاج بن یوسف نے جس طرح ہزاروں علماء وفضلاء کو جیل خانہ میں سڑایا اور ہزاروں کو شہید کیا یا کرنا چاہا، ان میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں کہ حجاجی سپاہی آپ کی تلاش میں پھرتے اور آپ اس وجہ سے روپوش رہتے۔

ایک روز کسی مخبر نے سپاہیوں کو خبر دی کہ فلاں جگہ ابراہیم ہیں، وہاں اتفاق سے دوسرے ابراہیم جو اُن ہی کے ہم عصر ہیں اور ابراہیم تیمی کے نام سے موسوم ہیں موجود تھے۔ سپاہی ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہیں اور کہاں ہیں؟

ابراہیم تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ لوگ میری تلاش میں نہیں، بلکہ ابراہیم نخعی کی طلب میں ہیں، لیکن آپ نے محیر العقول ایثار سے کام لیا کہ ابراہیم نخعی کا پتہ دینے کے بجائے یہ کہہ کر خود گرفتار ہوگئے کہ میرا ہی نام ابراہیم ہے۔

چنانچہ وہ حجاج کے حکم سے دیناس نامی جیل خانہ میں قید کردیے گئے، جس میں

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما یقال عند الغضب: ۳۰۳/۲

[2] اصلاحی خطبات: ۲۷۶/۸

نہ دھوپ سے بچنے کے لئے کہیں سایہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت، پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا گیا تھا، حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس قید کی شدت سے اس درجہ لاغر کمزور ہوگئے کہ ان کی والدہ ان سے ملنے جیل خانہ میں آئی تو دیکھ کر پہچانا نہیں، آخرکار اسی جیل خانہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض بھی کیا کہ جب سپاہی آپ کی طلب میں نہ تھے تو آپ بہ اختیارِ خود کیوں گرفتار ہوگئے۔

فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ابراہیم نخعی جیسے امامِ وقت کو لوگ گرفتار کریں۔[1]

فائدہ: احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو لیکن جب کوئی دوسرا ضرورت مند سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دے دے اور خود تکلیف اٹھا لے، اسی کا نام ایثار ہے، بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کا طرزِ عمل یہی تھا اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم وترغیب دیتے تھے۔[2]

یاد رکھنے کے قابل ایک حکایت

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا، حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص ہے، جس نے ہزاروں صحابہ وتابعین کو ناحق قتل کیا ہے، اس لئے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی، جس بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا، انہوں نے الزام لگانے والے سے پوچھا:

---

[1] طبقات ابن سعد: ۱۹۹/۶

[2] معارف الحدیث: ۱۹۳/۲

اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لیں گے تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر کوئی ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام سے نہیں چھوڑا جائے گا، حجاج کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی طرف داری نہیں ہے کہ برے اور گناہگار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ جو چاہیں الزام واتہام لگا دیا کریں۔[۱]

فائدہ: اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں، بدلہ میں انصاف کی رعایت لازمی ہے، جب تک مظلوم اسی ہدایت پر عمل پیرا رہے گا تو وہ منصورِ حق ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہوگا اور اگر اس نے حد سے تجاوز کیا بدلہ لینے میں تو یہ مظلوم سے ظالم ہوگیا اور اب معاملہ اس کے ساتھ برعکس ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہونے کے بجائے دوسرے فریق کے ساتھ ہوگی۔[۲]

کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحوالہ مسند احمد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت کیا ہے:

> ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنت میں سے ہے۔“
>
> چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے، جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے

---

[۱] معارف القرآن: ۴۷۸/۵، الاسراء الآیۃ: ۳۳

[۲] معارف القرآن: ۴۷۸/۵، الاسراء الآیۃ: ۳۳

ہوئے تھے، دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا، تیسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس شخص کے پیچھے لگے (تا کہ اس کے اہلِ جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا، اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دے دیں، انہوں نے منظور فرمالیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں، تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتے، البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے، پھر صبح کی نماز کے لئے اٹھ جاتے تھے، البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا۔

جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے ان پر اپنا راز کھول دیا، کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے، اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی، مگر عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا، تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ

کو اس درجہ پر پہنچایا؟

انہوں نے فرمایا: میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے، میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بلا کر کہا: ہاں! ایک بات ہے:

''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطاء فرمائی ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔''[1]

فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بغض اور کینہ کے معنی یہ ہیں کہ اس فکر میں رہے کہ موقع ملے تو اس کو تکلیف پہنچاؤں یا اس کو نقصان و تکلیف پہنچے اس پر خوش ہوں، اس جذبہ کا نام کینہ ہے، یہ بھی چوری اور شراب کی طرح حرام ہے، یہ معنی نہیں کینہ کے کہ کسی نے ستایا یا برا کہا، دل میں اس کی طرف سے رنج آگیا اور حسد سے بچنے کے لئے فرمایا: جس پر حسد ہوتا ہے، اس کے ساتھ احسان و اکرام کا معاملہ کرو اور اگر یہ نہ کرسکو تو مجمع میں اس کی خوبیاں بیان کرو۔[2]

لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ اچھے اخلاق و عادات کو اپنائے اور برے اخلاق اور بری عادتوں سے بچیں اور اس کے لئے ان دعاؤں کا اہتمام بھی کریں:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔''[3]

---

[1] مسند احمد: ص٦٤٥، رقم: ١٢٢٨٦

[2] مجالس مفتی اعظم: ٢٠٢/٢٩٩

[3] النسائي، کتاب الاستعاذة: ٣١٣/٢

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بدبختی، نفاق اور برے اخلاق سے۔“

”اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ۔“[1]

ترجمہ: ”الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری عادتوں، برے کاموں اور بری خواہشوں سے۔“

[1] مشکوٰۃ، باب الاستعاذۃ: ۱/۲۱۷
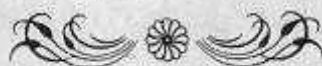
⑧ ترکِ معاصی

طالبِ علم کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عزت ہے اور بڑا مرتبہ ہے، اُسے گناہ پر جرأت نہ کرنی چاہیے، کیونکہ یہ خلافِ حیاء اور خلافِ مروّت ہے، کہ اللہ تعالیٰ تو اُن کے لئے فرشتوں سے پر بچھوائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے انہیں ناراض کریں، اللہ تعالیٰ ان کے عیوب چھپاویں اور یہ گناہوں کی کثرت کریں۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اور ایک دو مرتبہ نہیں، بلکہ سات مرتبہ سے زائد سنی ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کفل'' بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی، اس نے اس کو ساٹھ دینار (گنیاں) دیں اور فعلِ حرام پر اس کو راضی کر لیا، جب وہ گناہ کے لئے بیٹھ گیا تو یہ عورت کانپنے اور رونے لگی، اس نے کہا: رونے کی کیا بات ہے، کیا میں نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی کی ہے؟

اس نے کہا: نہیں جبر تو نہیں کیا، لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں کیا اور اس وقت مجھے اپنی ضرورت نے مجبور کر دیا، اس لئے اس پر آمادہ ہوگئی۔

یہ سن کر وہ شخص اسی حالت میں عورت سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا: جاؤ یہ دینار بھی تمہارے ہیں اور اب سے ''کفل'' بھی کوئی گناہ نہیں کرے گا، اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات میں ''کفل'' کا انتقال ہو گیا اور صبح اس کے دروازے پر غیب سے یہ تحریر

لکھی ہوئی دیکھی گئی۔ "غَفَرَ اللّٰہُ لِلْکِفْلِ" یعنی اللہ نے کفل کو بخش دیا ہے۔[1]

فَائِدَۃ: حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:

یہ جو اہلِ علم میں زوال اور انحطاط ہے اس کا سبب یہی ہے کہ الفاظ یاد کر لیتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد اور محنت کے مطابق مسائل کا بھی علم ہو جاتا ہے، لیکن یہ کہ گناہوں کی وجہ سے نورانیت باقی نہیں رہتی اور نورانیت آدمی میں آجائے تو پھر:

"اِذَا رَأَوْا ذُکِرَ اللّٰہُ"[2]

کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اللہ کے ان بندوں کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے، وہ بندے اللہ کی یاد دلانے کا سبب بنتے ہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنے سے انسان کے قلب میں ایک اشتیاق پیدا ہوتا ہے کہ میرا اللہ تبارک و تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم ہو جائے، گناہوں سے نفرت اور طاعات و عبادات کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے، یہ اللہ کے ان بندوں کی شان ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور علم کا نور ان کے قلب اور دماغ کو روشن کر دیتا ہے۔[3]

گناہوں پر اظہارِ نفرت نہ کرنے پر وعید

مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو تباہ کر دو، فرشتوں نے عرض کیا: اس بستی میں آپ کا فلاں عبادت گزار بندہ بھی ہے۔

حکم ہوا کہ اس کو بھی عذاب چکھاؤ، کیونکہ ہماری نافرمانیوں اور گناہوں کو دیکھ کر اس کو بھی غصہ نہیں آیا اور اس کا چہرہ غصہ سے کبھی متغیر نہیں ہوا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے

---

[1] معارف القرآن: ۲۱۹/۶، الانبیاء الآیۃ: ۸۵

[2] ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب من لا یؤبہ لہ: ص ۳۰۳

[3] مجالس علم و ذکر: ۶۹/۲

ایک لاکھ آدمی عذاب سے ہلاک کئے جائیں گے، جن میں چالیس ہزار نیک لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار بدعمل۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا: رب العالمین! بدکرداروں کی ...... ہلاکت کی وجہ تو ظاہر ہے، لیکن نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے؟

تو ارشاد ہوا: یہ نیک لوگ بھی ان بدکرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے ان کے ساتھ کھانے پینے، اور ہنسی دل لگی کے شریک رہتے تھے، میری نافرمانیاں اور گناہ دیکھ کر کبھی ان کے چہروں پر کوئی ناگواری کا اثر تک نہ آیا۔[1]

فائدہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کرلے کہ کتنے معاصی اس کے علم میں ایسے کئے جاتے ہیں جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی اور لاپرواہی، بے التفاتی سے کام لیتا ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے، اس کو کوتاہ نظر بتلایا جاتا ہے، اس کی اعانت کرنے کی بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔[2]

ستار العیوب کی پردہ پوشی

بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا، مدتوں سے بارش نہیں ہو رہی تھی، لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور عرض کیا: یا کلیم اللہ! رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ بارش نازل فرمائے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہمراہ لیا اور بستی سے باہر دعا کے لئے آگئے، یہ لوگ ستر ہزار یا اس سے کچھ زائد تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بڑی

---

[1] تفسیر بحر محیط: ۵۳۳/۳، المائدۃ: ۶۳

[2] فضائل اعمال، فضائل تبلیغ: ص ۶۰۷

عاجزی سے دعا کرنا شروع کی:

"إِلٰهِيْ، أَسْقِنَا غَيْثَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ ...... وَارْحَمْنَا بِالْأَطْفَالِ الرُّضَّعِ وَالْبَهَائِمِ الرُّتَّعِ وَالشُّيُوخِ الرُّكَّعِ."

ترجمہ: "میرے پروردگار! ہمیں بارش سے نواز، ہمارے اوپر اپنی رحمتوں کی نوازش کر......! چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، بے زبان جانور، بوڑھے اور بیمار بھی تیری رحمت کے امیدوار ہیں، تو ان پر ترس کھاتے ہوئے ہمیں اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے۔"

دعائیں ہوتی رہیں، مگر بادلوں کا دور دور تک پتا نہ تھا، سورج کی تپش اور تیز ہوگئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو وحی نازل ہوئی:

﴿إِنَّ فِيكُمْ عَبْدًا يُبَارِزُنِيْ بِالْمَعَاصِيْ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً، فَنَادِ فِي النَّاسِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ، فَبِهٖ مَنَعْتُكُمْ.﴾

ترجمہ: "تمہارے درمیان ایک ایسا شخص ہے جو گزشتہ چالیس سالوں سے مسلسل میری نافرمانی کر رہا ہے اور گناہوں پر مصر ہے، اے موسیٰ! آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ وہ نکل جائے، کیونکہ اس آدمی کی وجہ سے بارش رکی ہوئی ہے اور جب تک وہ باہر نہیں نکلتا بارش نہیں ہوگی۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: باری تعالیٰ! میں کمزور سا تیرا بندہ، میری آواز بھی ضعیف ہے، یہ لوگ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہیں، میں ان تک کیسے آواز پہنچاؤں گا؟

جواب ملا:

﴿مِنْكَ النِّدَاءُ وَمِنَّا الْبَلَاغُ.﴾

ترجمہ: ''تیرا کام آواز دینا ہے، پہنچانا ہمارا کام ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آواز دی اور فرمایا:

"أَيُّهَا الْعَبْدُ الْعَاصِي الَّذِي يُبَارِزُ اللّٰهَ بِالْمَعَاصِي مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ...... أُخْرُجْ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَبِكَ مُنِعْنَا الْمَطَرُ."

ترجمہ: ''اے رب کے گناہگار اور نافرمان بندے، جو گزشتہ چالیس سال سے اپنے رب کو ناراض کر رہا ہے اور اس کو دعوتِ مبارزت دے رہا ہے...... لوگوں میں سے باہر آجا، تیرے ہی کالے کرتوتوں کی پاداش میں ہم بارانِ رحمت سے محروم ہیں۔''

اس گناہگار بندے نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، کوئی بھی اپنے جگہ سے نہ ہلا، وہ سمجھ گیا کہ وہی مطلوب ہے، سوچا کہ اگر میں تمام لوگوں کے سامنے باہر نکلا تو بے حد شرمندگی ہوگی اور میری جگ ہنسائی ہوگی اور اگر میں باہر نہ نکلا تو محض میری وجہ سے تمام لوگ بارش سے محروم رہیں گے۔

اب اس نے اپنا چہرہ اپنے کپڑوں میں چھپا لیا، اپنے گزشتہ افعال و اعمال پر شرمندہ ہوا اور یہ دعا کی: اے میرے رب! تو کتنا کریم اور بردبار ہے کہ میں چالیس سال تک تیری نافرمانی کرتا رہا اور تو مجھے مہلت دیتا رہا اور اب تو میں یہاں تک تیرا فرمانبردار بن کر آیا ہوں، میری توبہ کو قبول فرما اور مجھے معاف فرما کر آج کی ذلت و رسوائی سے بچالے!

ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ آسمان بادلوں سے بھر گیا اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا: یا الٰہی! آپ نے بارش کیسے برسانا شروع کردی وہ نافرمان بندہ تو مجمع سے باہر نہیں آیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! جس کی بدولت میں نے بارش روک رکھی تھی

اسی کی بدولت اب بارش برسا رہا ہوں، اس لئے کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! اس آدمی سے مجھے بھی ملا دے، تاکہ اس کو دیکھ لوں، فرمایا:

﴿يَا مُوسٰى! اِنِّيْ لَمْ أَفْضَحْهُ وَهُوَ يَعْصِيْنِيْ، أَأَفْضَحُهُ وَهُوَ يُطِيْعُنِيْ.﴾

ترجمہ: ''موسیٰ! میں نے اس کو اس وقت رسوا اور خوار نہیں کیا جب وہ میری نافرمانی کرتا رہا اور اب جب کہ وہ میرا مطیع اور فرمانبردار بن چکا ہے تو اسے کیسے شرمندہ اور رسوا کر سکتا ہوں؟''

وہ ایک گناہ گار اور نافرمان شخص تھا اور اس کی بدولت بارش کا نزول نہیں ہو رہا تھا اور چند کو چھوڑ کر تمام امت ہی گناہ گار اور غفلت میں ہو تو پھر کیا حشر ہوگا؟

سورۂ جن آیت ۱۶ میں رب تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾﴾

ترجمہ: ''لوگ اگر راہِ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی دیتے۔''[1]

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم صبح بیدار ہو تو اپنے نفس سے رات سونے تک کے لئے ایک معاہدہ کر لو کہ کوئی گناہ آج نہیں کروں گا اور تمام فرائض و واجبات اور سنتیں ادا کروں گا اور حقوق اللہ و حقوق العباد میں بھی کوئی کمی نہیں کروں گا، پھر جس کام میں بھی لگو تو غور کرو کہ یہ کام معاہدہ کے خلاف تو نہیں، اگر ہے تو چھوڑ دو، پھر رات کو سونے سے پہلے غور کرو کہ کوئی کام معاہدہ کے خلاف تو نہیں ہوا، اگر ہوا تو توبہ کرو اور نفس کو تھوڑی سزا دو، ورنہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔[2]

---

[1] سنہرے اوراق: ص ۲۰۹

[2] احیاء العلوم الدین: ۵۲۲/۴

جب گناہ کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس دُعا کا اہتمام کریں:

﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ.﴾[1]

سنت کی اہمیت

"اھوال القبور" میں علامہ زین الدین بن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:
ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو کفن چور تھا، مگر اب وہ اس قبیح حرکت سے باز آچکا تھا اور توبہ کر کے نیکی کی زندگی گزار رہا تھا۔ علامہ زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: تم مسلمانوں کے کفن چراتے رہے ہو اور تم نے مرنے کے بعد ان کی حالت دیکھی ہے، یہ بتاؤ کہ جب تم نے ان کے چہرے کھولے تو اُن کا رُخ کس طرف تھا؟

اس نے جواب دیا: اکثر چہرے قبلے کے رُخ سے پھرے ہوئے تھے، حضرت زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو بڑا تعجب ہوا، کیونکہ دفن کرتے ہوئے تو مسلمان کا چہرہ قبلہ رُخ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پوچھا تو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو تین بار "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا پھر فرمایا:

یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی میں سنتوں سے منہ پھیرنے والے تھے۔[2]

فائدہ: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا امتیاز نہیں تھا کہ کون سی سنت چھوٹی ہے اور کون سی بڑی ہے، بلکہ ان کے نزدیک ہر سنت عظیم تھی، اس لیے وہ تمام سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ذرا سا اہتمام کرنے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ جمع ہوتا چلا جاتا ہے،

---

[1] سورۃ اعراف: آیت ۱۲۶

[2] اھوال القبور واحوال اھلھا الی النشور: ص ٦٦

اس لیے سنتوں[1] پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔[2]

[1] سنت کے اہتمام کے لئے ان کتب کا مطالعہ کریں:

1. پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیاری سنتیں: حکیم محمد اختر صاحب
2. اسوۂ رسول اکرم: .... ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب
3. درسی سیرت (مکمل تین حصے): .... مفتی طارق بشیر صاحب
4. علیم سنتی: .... مفتی عبدالحکیم سیالکوٹی صاحب رحمہ اللہ
5. راہ سنت: .... مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ العالی
6. معارف الحدیث: .... مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ
7. ریاض الصالحین: .... علامہ نووی رحمہ اللہ
8. منتخب احادیث: .... مولانا سعد صاحب مدظلہ العالی
9. مستند مجموعہ وظائف: .... مکتبہ بیت العلم

یہ کتابیں آپ کسی بھی دینی معیاری کتب خانے سے خرید سکتے ہیں یا براہِ راست ہم سے منگوا لیں۔

[2] اصلاحی خطبات: ۱۸۰/۷

⑨ اعمالِ صالحہ کی طرف سبقت

انسان کو بھلائی کی طرف راغب کرنے کے لئے ایک قوت تو خود انسان کے دل میں رکھی گئی ہے جسے "نفسِ لوامہ" کہا جاتا ہے اور عرفِ عام میں اس کا نام "ضمیر" ہے، ہر انسان جب کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ایک ان دیکھی قوت اسے برائی سے روکتی ہے، یہی قوت "نفس لوامہ" ہے، اس کے علاوہ کچھ خارجی طاقتیں ہیں جو انسان کو نیکی پر آمادہ کرتی اور برائی سے روکتی ہیں، یہ خارجی قوتیں "فرشتے" ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق ہے اور اس میں برائی کا مادہ پیدا ہی نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف دو قوتیں ایسی ہیں جو انسان کو برائی کی طرف راغب کرتی ہیں، ان میں سے ایک خود انسان کے باطن میں موجود ہے جسے "نفسِ امارہ" کہا جاتا ہے، یہ نفسانی خواہشات کا وہ منبع ہے جو نیکیوں سے جی چرانے اور گناہ کی طرف مائل ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور دوسری قوت "شیاطین" کی ہے، جنہوں نے اپنا مقصدِ زندگی ہی یہ قرار دیا ہوا ہے کہ انسان کو نیکیوں سے ہٹا کر برائیوں کی طرف لے جائیں۔

ان دو متضاد قوتوں کی کشاکش ہی میں انسان کی آزمائش ہے اور اس آزمائش میں کامیاب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان نیکی کے تقاضوں کو بدی کے تقاضوں پر غالب کر دے اور اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں "صبر" ہے۔

نیکی کا راستہ

شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں:

میں گرمیوں کی دوپہر ظہر کی نماز سے پہلے حرم میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک بوڑھا شخص کھڑا ہوا اور لوگوں کو پانی پلانے لگا، کوئی اس کے دائیں ہاتھ سے گلاس لے رہا تھا اور کوئی بائیں ہاتھ سے گلاس لے رہا تھا، اور وہ ان کو ماءِ زم زم سے لا لا کر پانی پلا رہا تھا، جب پینے والا پی لیتا تو وہ لوٹتا اور پانی لا کر اس کے پاس والے کو پلاتا، یہاں تک کہ اس نے لوگوں کی ایک جماعت کو سیراب کر دیا اور اس کا حال یہ تھا کہ اس کا پسینہ بہے جا رہا تھا اور لوگ بیٹھے ہوئے اس کے منتظر تھے کہ ہماری باری بھی آئے اور اس بوڑھے آدمی سے پانی پئیں۔

فَائِدَہ: شیخ ابوغدہ صاحب اس واقعہ کو سنا کر اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوا اس کے جسم اور اس کے صبر، لوگوں کے ساتھ اس کی محبت اور اس کے مسکراتے ہوئے لوگوں کو پانی پلاتے دیکھ کر، میں نے جان لیا کہ بھلائی کا معاملہ کرنا آسان ہے اُس شخص کے لئے جس کے لئے اللہ آسان کر دے اور اللہ کے پاس بھلائی کے بیش بہا ذخائر ہیں، اس میں سے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی فضائل اور خوبیاں جاری فرماتا ہے، اگرچہ لوگوں میں کم ہیں ان دو بھلائیوں کو اپنانے والے۔

1. اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کو پسند کرنے والے۔
2. اور اُن کی تکلیف کو ناپسند کرنے والے۔[1]

تہجد گزار بچہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت خود ہی ایسی واقع ہوئی تھی کہ بچپن میں کبھی بازاری لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بچپن ہی سے حضرت کا مزاج دینی تھا، کھیلوں میں بھی نماز باجماعت کی نقل اتارتے تھے، بازار کی طرف کبھی

[1] لاتحزن: ص۲۹۰

نکل جاتے اور راستہ میں مسجد نظر پڑتی تو سیدھے اندر چلے جاتے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ کی طرح کچھ پڑھ کر لوٹ آتے، گویا مستقبل کے نقشہ کا خاکہ کہ اس نیم شعوری دور ہی سے کھینچ رہے تھے، ابھی ۱۲، ۱۳ برس ہی کی عمر ہوگی کہ تہجد میں اٹھنے کا شوق ہونے لگا، پچھلی رات اٹھ بیٹھتے اور تہجد و وظائف میں منہمک ہو جاتے، والدہ تو تھیں نہیں، نانی صاحبہ کا دل بہت دکھتا کہ اس نوعمری میں یہ مشقت![1]

فائدہ: حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: طلباء اگر چاشت، اشراق کے وقت کم از کم دو رکعتیں پڑھ لیا کریں اور رات کو اٹھ کر تہجد کی دو رکعتیں پڑھ کر مطالعہ کتاب میں مشغول ہو جایا کریں اور حدیث پڑھنے والے بجائے فضول باتوں کے چلتے پھرتے زبان سے درود شریف پڑھتے رہا کریں تو بتائیں ان کی تعلیم میں کون سا حرج واقع ہوتا ہے؟

اگر خیال کیا جائے تو ان شاء اللہ ایسی صورتیں خود بخود ذہن میں آنے لگیں گی جن سے طلباء میں نور عبادت و حلاوتِ ذکر بھی پیدا ہو جائے اور تعلیم میں بھی کوئی کمی کسی قسم کی نہ آنے پائے۔[2]

تکبیرِ اولیٰ کے فوت ہونے پر افسوس

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں جب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے، مخلوق کے اژدہام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ رحمہ اللہ جماعت میں شریک ہوئے تو قراءت شروع ہوگئی تھی۔

---

[1] بڑوں کا بچپن: ص ۹۳

[2] تحفۃ العلماء: ۱/۱۲۹

سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اداس تھے اور چہرے پر پریشانی کا اثر ظاہر ہو رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے: افسوس! بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔[1]

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے جو انقلاب برپا کیا اور صرف ۲۳ سال کی مدت میں پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی، بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی، یہ انقلاب اس لئے آیا کہ آپ نے جس بات کا امت کو کرنے کا حکم دیا، پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا، مثلاً ہمیں اور آپ کو حکم دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو، لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے، یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت اور تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ کی یہ حالت تھی کہ:

"اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ صَلّٰی"[2]

یعنی جب آپ کو کسی کام کی پریشانی پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ."

ترجمہ: "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"[3]

عمرِ ناتواں اور معمولات کی پابندی

مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] تذکرۃ الرشید: ۱۶/۲

[2] مشکوٰۃ، کتاب الصلاۃ، باب التطوع: ص ۱۱۷

[3] نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب نمبر ۱، ۹۳/۲

"ایک مرتبہ حضرت خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ جے پور کے سفر میں تھے اور بندہ ہمرکاب تھا، گاڑی عشاء کے بعد پہنچی، میزبان نے ایک سرائے میں ہم کو لا اتارا، جس کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں نہ روشنی کا سامان تھا نہ کھانے پینے کا، رفیقِ سفر میزبان روشنی اور کھانے کا انتظام کرنے کے لئے سرائے سے باہر نکلے .... ڈھم سکھم چراغ جلایا، ...... ہر چند کہ مجھے حضرت کے ساتھ بارہا سفر کا اتفاق ہوا اور خوب جانتا تھا کہ آپ اپنے معمولات کے بہت ہی زیادہ پابند ہیں، مگر آج شب کی کوفت اور کلفت محسوس کر کے اس کا وہم بھی نہ ہوا کہ آپ تہجد کے لئے اٹھیں گے، چراغ جس نے کھانے کا ساتھ بھی ٹمٹما کر بمشکل دیا تھا، سلام کر گیا اور بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ پڑ کر سو رہیں ......

صبح صادق سے گھنٹہ بھر پہلے دفعتاً آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی چارپائی خالی ہے، گھبرا کر اٹھا اور باہر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہاں تشریف لے گئے ......، تاروں کی جھلملاہٹ میں ذرا دور ایک مسجد نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا، صحن میں قدم رکھا تو حضرت کی آواز کانوں میں پڑی کہ اندر گوشہ میں کھڑے ہوئے تلاوت فرما رہے ہیں اور اپنے معبود کے سامنے غلامانہ حاضری کا معمول بجا لا رہے ہیں، آواز میں گریہ اور رعشہ تھا اور لہجہ میں خوف وخشیہ ملا ہوا۔

مجھے خوف کے مارے پسینہ آگیا کہ تف تیری جوانی پر! حضرت اس بڑھاپے اور ضعیفی میں اتنے مستعد اور تو عالمِ شباب میں اتنا کاہل اور کم ہمت۔[1]"

---

[1] تذکرۃ الخلیل: ۵۶

فَائِدَہ: یہ خیال کہ ابھی تو پڑھ رہے ہیں جب پڑھ لیں گے اس وقت عمل کریں گے، یہ خیال باطل ہے۔ جس گناہ کو آج نہیں چھوڑ سکتے اور جس اطاعت کو اس وقت اختیار نہیں کر سکتے اور نفس پر آج قابو نہیں تو کل بطریقِ اَولیٰ عمل نہیں ہو سکے گا، بلکہ آج عمل کرنا آسان ہے، جس قدر مدت گزرے گی نفس کے اندر بری عادتیں راسخ ہو جائیں گی۔[1]

إِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا فُطُنَا طَلَّقُوا الدُّنْيَا وَخَافُوا الْفِتَنَا
نَظَرُوْا فِيْهَا فَلَمَّا عَلِمُوْا أَنَّهَا لَيْسَتْ لِحَيٍّ وَطَنَا
جَعَلُوْا لُجَّةً وَاتَّخَذُوْا صَالِحَ الْأَعْمَالِ فِيْهَا سُفُنَا

تَرجَمَہ: ”اللہ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے فتنوں سے ڈر کر دُنیا کو طلاق دے دی ہے، دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے، اس لئے انہوں نے دُنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اُسے عبور کیا ہے۔“

ایک ہی ہیئت پر

محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:
جب میں دیوبند میں طالبِ علم تھا تو ایک روز میں نے فجر کی نماز ایک چھوٹی سے کچی عمارت کی مسجد میں پڑھی، جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، نماز کے بعد میں نے اپنی چادر اسی کچے فرش پر بچھا دی اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی، جمعہ کی نماز تک ایک ہی نشست میں ایک ہی ہیئت پر چھبیس (۲۶) پارے پڑھ لئے اور چوں کہ جمعہ کی نماز کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانا ضروری تھا، اس لئے پورا نہ کر سکا، ورنہ

---

[1] آداب المعاشرت: ص ۲۴۵

پورا قرآن ختم کر لیتا۔[1]

فائدہ: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تلاوتِ کلام پاک میں اس قدر انہماک پیدا کرو کہ تلاوت کرتے وقت یہ کیفیت ہو کہ گویا میں نہیں پڑھ رہا، اللہ تعالیٰ مجھ سے پڑھوا رہا ہے، جیسے: گراموفون کے اندر سے آواز نکل رہی ہے، لیکن وہ آواز گراموفون کی نہیں کسی آدمی کی ہے۔ اسی طرح تلاوت کا حال بن جائے۔[2]
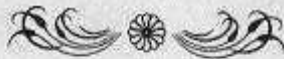
[1] عشاقِ قرآن کے ایمان افروز واقعات: ص ۱۷۸

[2] مجالس علم وذکر: ۲/۵۰

⑩ والدین کا احترام

یاد رکھیے! اس دُنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض وابستہ ہے، اس دُنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی سوائے والدین کی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، اس محبت میں اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں، ان کا جذبہ تو ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے، لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے والد کو بلا کر لاؤ، اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جب اس کا باپ آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔

جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے فرمایا: کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں؟

والد نے عرض کیا: آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا

اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اِیہ" (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا؟

اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں، (جو بات کسی نے نہیں سنی اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی جو ایک معجزہ ہے) پھر اس نے عرض کیا: یہ حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے:

غَذَوْتُكَ مَوْلُوْدًا وَمُنْتُكَ يَافِعًا
تُعَلُّ بِمَا أَجْنِيْ عَلَيْكَ وَتُنْهَلُ

ترجمہ: "میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی، تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔"

إِذَا لَيْلَةً ضَافَتْكَ بِالسَّقَمِ لَمْ أَبِتْ
لِسَقَمِكَ إِلَّا سَاهِرًا أَتَمَلْمَلُ

ترجمہ: "جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گزاری۔"

كَأَنِّيْ أَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِالَّذِيْ
طُرِقْتَ بِهِ دُوْنِيْ فَعَيْنِيْ تَهْمُلُ

ترجمہ: "گویا تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں، جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔"

تَخَافُ الرَّدٰی نَفْسِيْ عَلَيْكَ وَأَنَّهَا
لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

ترجمہ: ''میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، پہلے پیچھے نہیں ہوسکتی۔''

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِيْ
إِلَيْهَا مَدیٰ مَا كُنْتُ فِيْكَ أُؤَمِّلُ

ترجمہ: ''پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔''

جَعَلْتَ جَزَائِيْ غِلْظَةً وَفَظَاظَةً
كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

ترجمہ: ''تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا، گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔''

فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِيْ
فَعَلْتَ كَمَا الْجَارُ الْمُصَاقِبُ يَفْعَلُ

ترجمہ: ''کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔''

فَأَوْلَيْتَنِيْ حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَكُنْ
عَلَيَّ بِمَالٍ دُوْنَ مَالِكَ تَبْخَلُ

ترجمہ: ''کم از کم مجھے پڑوسی کا حق دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا:

"أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ" یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔[1]

فائدہ: بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس سے واجب الاحترام حق دُنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا ہے۔[2]

سعادت مند بیٹا

حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طالب علمی کا پورا زمانہ عسرت اور تنگدستی میں بسر کیا، ایک روز آپ گرمی کی دوپہر میں دارالعلوم کے اسباق سے تھک تھکا کر چھٹی کے وقت گھر پہنچے تو والدہ نے آبدیدہ ہو کر اپنے لائق فرزند سے کہا:

"بیٹا آج تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے، البتہ ہماری زمین میں گندم کی فصل تیار کھڑی ہے، اگر تم اس گندم کو کاٹ لاؤ تو میں اس کو صاف کر کے آٹا پیس کر روٹی پکا دوں گی۔"

سعادت مند بیٹا محنت اور بھوک سے درماندہ اسی گرمی کی دوپہر میں اپنی زمین کی طرف چل دیا اور وہاں سے جس قدر بوجھ اٹھا سکتا تھا اتنی گندم کاٹ کر لے آیا، والدہ نے اُسے کوٹ چھان پیس کر آٹا بنایا اور روٹی پکائی، اس طرح ظہر کے وقت تک بھوک کا کچھ سامان ہوا، ظہر کے بعد اپنے اسباق کے لئے چلے گئے۔

ماں باپ اور بیٹے نے اسی فقر و فاقہ میں وقت گزارا، مگر تعلیم میں فرق نہ آنے دیا۔[3]

---

[1] تفسیر قرطبی: ۲۹۷۳/۵، الاسرا: ۲۳

[2] اصلاحی خطبات: ۵۹/۴

[3] بڑوں کا بچپن: ص ۱۳۶

فائدہ: یاد رکھو: جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں، جیسا کہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر ماں باپ کو محبت اور پیار بھری نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ہے۔[1]

اسی لئے دوسری حدیث میں فرمایا: کہ مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر وہ ان کی خدمت کرکے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔[2]

امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا ادب

واقعہ: حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے، یہاں تک کہ ان سے کہا گیا: آپ تو اپنی والدہ کے ساتھ لوگوں میں زیادہ نیکی کا برتاؤ کرنے والے ہیں، لیکن ہم آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ والدہ جب کھا کر فارغ ہو جاتی ہیں پھر آپ کھاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا:

"أَخَافُ أَنْ تَسْبِقَ يَدِيْ إِلَى مَا قَدْ سَبَقَتْ عَيْنُهَا إِلَيْهِ فَأَكُوْنَ قَدْ عَقَقْتُهَا."

ترجمہ: "میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میرے ہاتھ اس چیز کی طرف سبقت نہ لے جائیں جس کی طرف میری ماں کی آنکھیں سبقت لے گئیں ہوں اور اس طرح میں نافرمانوں میں سے ہو جاؤں۔"[3]

---

[1] مشکوۃ، باب البر والصلۃ: ۴۲۱

[2] الترغیب والترہیب: ۳/۳۱۹، اصلاحی خطبات: ۴/۳۷

[3] فضل بر الوالدین: ص ۱۷

فَائِدَہ: ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں جب ان کی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا، لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔[1]

خدمتِ والد کا صلہ

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اس کے بیٹے کے ساتھ جیل بھیج دیا۔ اس شخص کی عادت تھی کہ گرم پانی سے ہی وضو کرتا تھا، داروغہ جیل نے قید خانہ میں آگ لے جانے کی ممانعت کی تو لڑکے نے رات کو قندیل میں پانی رکھ کر اپنے والد کے لئے پانی گرم کیا، جب صبح ہوئی تو اس شخص کو ذرا گرم پانی ملا۔

اس نے بیٹے سے پوچھا، یہ پانی کہاں سے آیا ہے؟

اس کے بیٹے نے جواب دیا: اس قندیل پر گرم کیا ہے۔ جب یہ خبر داروغہ جیل کو پہنچی تو اس نے قندیل کو اونچا کر کے لٹکا دیا۔

تب لڑکے نے یہ کیا کہ رات بھر پانی کے برتن کو اپنے سینے سے دل پر لگائے رکھے رہا، کسی قدر اس میں گرمی آگئی، اس کے باپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟

اس نے اصل صورتِ حال بیان کر دی، تب باپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: اے اللہ! اس کو جہنم کی گرمی نہ چکھائیو۔[2]

فَائِدَہ: علماء نے والدین کے حقوق میں لکھا ہے کہ جائز امور میں ان کی اطاعت ضروری ہے۔ ان کی بے ادبی نہ کرے، تکبر سے پیش نہ آئے اگرچہ وہ مشرک ہوں۔ اپنی آواز کو اُن کی آواز سے اونچی نہ کرے، ان کا نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں

[1] اصلاحی خطبات: ۴/۷۵

[2] مثالی بچپن: ص ۱۳۵

ان سے پیش قدمی نہ کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی کرے، اگر قبول نہ کریں تو بھی اچھا سلوک کرتا رہے اور ہدایت کی دُعا کرتا رہے، غرض ہر بات میں ان کا احترام ملحوظ رکھے۔[1]

مجھے تو آپ کی ضرورت ہے

سیّد رضی الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری کسی کوتاہی کی وجہ سے جب مجھے ڈانٹ پڑتی تھی اور میری امی محترمہ ناراض ہوکر فرماتی تھیں: مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کیا اپاہج سمجھ لیا ہے، میں خود اپنا کام کرلوں گی۔

تو میں نہایت ہی مسکین صورت بنا کر معصومانہ انداز میں عرض کرتا تھا: لیکن امی! مجھے تو آپ کی ضرورت ہے اور امی کا غصہ فوراً ٹھنڈا ہو جایا کرتا تھا، شفقت کے فوارے چھوٹنے لگتے تھے۔[2]

فائدہ: یاد رکھو! کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہو جائے گا، ان کی بہت سی باتیں ناگوار بھی معلوم ہوں گی، لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمہارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں، لہٰذا تمہیں بھی ان کی ناگوار باتیں برداشت کرنا ہیں۔[3]

والدہ کی بددُعا کا انجام

ڈاکٹر نور محمد کہتے ہیں میرے والد صاحب کے ایک دوست کے متعلق مشہور

[1] فضائل اعمال، فضائل رمضان: ص ۶۵۲

[2] مثالی ماں: ص ۹۱، ۹۲

[3] اصلاحی خطبات: ۴/۷۰

ہے کہ جب اس کی والدہ قریب المرگ تھی تو اس نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی اور وہ بے چاری اکیلی پڑی رہی اور اس میں مرگئی۔

میں اس جستجو میں تھا کہ جو والدین کے ساتھ برا سلوک رکھے اس کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے، زندگی کے ایام گزرتے گئے، قریباً اس واقعہ سے تیس سال بعد یہ صاحب جو اپنی والدہ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے تھے، بیمار ہوئے اور دستوں کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئے۔ میرے والد صاحب مجھے ان کے علاج کے لئے لے گئے، میں نے دیکھا تو یہ بہت کمزور تھے اور رو رہے تھے۔ میں نے اس کو غذا بتائی تو رونے لگ گئے اور بتایا کہ اس کے تین لڑکے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں کرتے، کئی دنوں سے بیمار پڑا ہوں مگر ایک مرتبہ بھی ملنے نہیں آئے۔

چنانچہ اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ وہ شخص رات کی تنہائی میں انتقال کر گیا، صبح کے وقت جب محلہ والوں نے دیکھا تو چیونٹیاں اس کو کاٹ رہی تھیں اور وہ مر چکا تھا۔

واقعی والدہ کے ساتھ بے ادبی کرنے والے کو اسی دنیا میں سزا مل کر رہتی ہے۔[1]

فائدہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ میرے حسنِ سلوک کا مستحق کون ہے، کس کے ساتھ میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمہارے حسنِ سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جواب دیا: تمہاری ماں، ان صاحب نے پھر

---

[1] خزینہ: ص ۱۸۰

سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب دیا: تمہاری ماں، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟

تو چوتھے نمبر پر فرمایا: تمہارا باپ۔[1]

بدسلوکی کی سزا

یہی ڈاکٹر نور محمد کہتے ہیں: میرے وارڈ میں ایک نوجوان گردے فیل ہونے کی وجہ سے مرا، تین دن تک حالتِ نزع میں رہا اتنی بری موت مرا کہ آج تک ایسی موت میں نے پچھلے ۴۰ سال کے عرصے میں نہیں دیکھی۔ اس کا منہ نیلا ہو جاتا تھا، آنکھیں نکل آتی تھیں اور منہ سے دردناک آوازیں نکلتی تھیں، جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔

مرنے سے ایک دن قبل یہ کیفیت زیادہ ہوگئی، آواز زیادہ تیز ہوگئی اور وارڈ سے دوسرے مریض بھاگنا شروع ہوگئے، چنانچہ اس کو وارڈ سے دور کے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا، تاکہ آواز کم ہو جائے، مگر پھر بھی یہ حالت جاری رہی۔

اس کا والد مجھ سے یہ کہنے کے لئے آیا کہ اس کو زہر کا ٹیکہ لگا دیں، تاکہ مر جائے ہم سے ایسی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ میں نے اس کے والد سے پوچھا: اس نے کیا خاص غلطی کی ہے؟

اس کا والد فوراً بول اٹھا: یہ شخص اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے ماں کو مارا کرتا تھا اور میں اس کو بہت روکا کرتا تھا۔ یہ بری موت اس کا نتیجہ ہے۔[2]

فائدہ: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا: والدین کی اطاعت واجب ہے، اگر وہ کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض

---

[1] بخاري، كتاب الادب باب من احق الناس بحسن الصحبة: ۸۸۳/۲

[2] خزینہ: ص ۱۸۲

ہو جاتا ہے اور ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، بشرطیکہ وہ کام شرعاً جائز ہو اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے جیسے نماز چھوڑ دینا گناہ ہے۔ اسی کو عقوق الوالدین کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔[1]

کس کا دل ٹوٹتا ہے!

عید کے موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بیٹے کو پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، ان کے صاحبزادے نے دیکھ لیا اور ان سے پوچھا! اے امیر المؤمنین! آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: میرے بیٹے! مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں ان پرانے کپڑوں میں دیکھیں گے تو اس سے تمہارا دل ٹوٹے گا۔

اس لڑکے نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! دل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو اور مجھے تو امید ہے کہ آپ کی رضامندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہوں گے۔

سبحان اللہ! یہ تھا حال امیر المؤمنین کے صاحبزادے کا، جب کہ یہ حال امیر زادوں کا تو کیا درویش زادوں کا بھی نہیں ہے۔ جس کا سببِ اصلی یہ ہے کہ شروع سے اسلامی طریقہ سے ان کی تعلیم و تربیت[2] نہیں کی جاتی۔[3]

---

[1] اصلاحی خطبات: ۳/۷۱

[2] بچوں اور بچیوں کی تربیت اسلامی طریقے سے ہو اس کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کی شائع کردہ کتابیں "مثالی ماں" اور "مثالی باپ" کا مطالعہ بہت سود مند ہے۔

[3] تربیت اولاد کا اسلامی نظام: ص ۲۲۱

فَائِدَہ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والدین کو تکلیف نہ پہنچائے، اگرچہ ان کی طرف سے کچھ زیادتی ہو۔

زبان اور برتاؤ سے ان کی تعظیم کرے، والدین کے دینی احسان، علم دین پڑھانے کی بھی قدر کرنا اور اس کو یاد کرتے رہنا ضروری ہے۔

والدین کی بات کا جواب نہ دینا سخت بے ادبی ہے، اسی طرح دیر میں جواب دینا اور انتظار کی تکلیف پہنچانا بھی بے ادبی ہے۔[۱]

اللہ تعالیٰ قرآن میں والدین کے لئے دُعا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾[۲]

تَرجَمَہ: ''اور یوں دُعا کرتے رہنا کہ میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔''[۳]

---

[۱] آداب المعاشرت: ص ۳۲۴

[۲] بنی اسرائیل: ۲۴

[۳] ہمیں چاہیے کہ والدین کے حقوق جاننے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کریں۔

1. والدین کی قدر کیجیے: .... مولانا محمد حنیف صاحب، مکتبہ دار الہدیٰ کراچی
2. حقوق والدین: .... مفتی محمد شفیع صاحب، دار الاشاعت کراچی
3. فضل بر الوالدین: .... ابراہیم بن عبداللہ الحازمی، دار الشریف

⑪ حقوق العباد

عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے حق تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا یہ غلط ہے، کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے، مثلاً حکم دیا ہے کہ مظلوم کی امداد کرو، کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو، کسی کو ایذا نہ دو، تو جب ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دی جائے گی تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا ایسے ہی خدا تعالیٰ کا بھی حق فوت کیا، کہ ان کے حکم کی مخالفت کی، اس لئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں، بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ استغفار کرنا چاہیے، گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اکثر اپنا حق بھی معاف کر دیتے ہیں، مگر بعض اوقات محبوبانِ خاص کی حق تلفی میں ان کی معافی کے بعد بھی حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے، بلکہ مواخذہ ضرور ہوتا ہے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقوق العباد بجالانا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک یہودی کا قرض تھا، اس نے آکر اپنا قرض مانگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، کچھ مہلت دو، یہودی نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا اور کہا: میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کر دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہیں اختیار ہے، میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔

---

[1] کمالات اشرفیہ: ص ۴۷

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب عشاء کی اور پھر اگلے روز صبح کی نماز یہیں ادا فرمائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم یہ ماجرا دیکھ کر رنجیدہ اور غضب ناک ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ یہودی کو ڈرا دھمکا کر یہ چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھانپ لیا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے پوچھا یہ کیا کرتے ہو؟

تب انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس کو کیسے برداشت کریں کہ ایک یہودی آپ کو قید کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے میرے ربّ نے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہد وغیرہ پر ظلم کروں'' یہودی یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہا تھا۔

صبح ہوتے ہی یہودی نے کہا:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه''

اس طرح مشرف بہ اسلام ہو کر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستہ میں دے دیا اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی! کہ میں نے اس وقت جو کچھ کیا اس کا مقصد صرف یہ امتحان کرنا تھا کہ تورات میں جو آپ کی صفات بتلائی گئی ہیں وہ آپ میں صحیح طور پر موجود ہیں یا نہیں، میں نے تورات میں آپ کے متعلق یہ الفاظ پڑھے ہیں:

''محمد بن عبداللہ، ان کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف اور ملک ان کا شام ہوگا، نہ وہ سخت مزاج ہوں گے، نہ سخت بات کرنے والے، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، فحش اور بے حیائی سے دور ہوں گے۔''

اب میں نے ان تمام صفات کا امتحان کر کے آپ کو صحیح پایا، اس لئے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ میرا آدھا مال ہے، آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں، اور یہ یہودی بہت مالدار

تھا، آدھا مال بھی ایک بڑی دولت تھی۔[1]

فَائِدَہ: میمون بن مہران کہتے ہیں: اسلام نے تین حقوق ایسے دیئے ہیں جو تمام کائنات کے لئے یکساں ہیں، یعنی وہ حقوق مسلمان اور کافر دونوں کو حاصل ہیں:

1. ہر حال میں امانت ادا کی جائے، خواہ امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر۔
2. والدین کی عزت وتکریم کی جائے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔
3. وعدہ ہر حال میں پورا کیا جائے، خواہ وہ کافر سے کیا ہو یا مسلمان سے۔[2]

ایفائے عہد

ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سادہ دربار خلافت سرگرم انصاف وعدل تھا، اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم موجود تھے، اور مختلف درپیش معاملات طے ہورہے تھے کہ اچانک ایک خوش رو نوجوان کو دو نوجوان پکڑے ہوئے لائے اور فریاد کی ''یا امیر المؤمنین! اس ظالم سے ہمارا حق دلوایئے۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''ہاں دونوں کا دعویٰ تو سن چکا، اب بتا تیرا کیا جواب ہے؟''

اس نے نہایت ہی فصاحت وبلاغت سے پورا واقعہ بیان کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''ہاں، مجھ سے یہ جرم ضرور ہوا ہے اور میں نے طیش میں آکر پتھر کھینچ مارا، جس کی ضرب سے وہ پیرِ ضعیف مرگیا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''تو تجھے اعتراف ہے، تو اب قصاص کا عمل لازمی ہوگیا اور اس کے عوض تجھے اپنی جان دینی ہوگی۔''

---

[1] تفسیر مظہری: ۴۱۷/۳، الاعراف الآیۃ: ۱۵۷

[2] سنہرے اوراق: ص۳۷۳

نوجوان نے سر جھکا کر عرض کیا: ''مجھے امام کے حکم اور شریعت کا فتویٰ ماننے میں کوئی عذر نہیں، لیکن ایک درخواست ہے۔'' ارشاد ہوا، وہ کیا؟

عرض کیا: ''میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے، جس کے لئے والد مرحوم نے کچھ سونا میرے سپرد کیا تھا کہ وہ بالغ ہو، تو اس کے سپرد کروں۔ میں نے اس سونے کو ایک جگہ زمین میں دفن کر دیا اور اس کا حال سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں ہے، اگر وہ سونا اس کو نہ پہنچا، تو قیامت کے دن میں ذمہ دار ہوں گا، اس لئے اتنا چاہتا ہوں کہ تین دن کے لئے ضمانت پر چھوڑ دیا جاؤں۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں سر جھکا کر ذرا غور فرمایا اور پھر سر اٹھا کر ارشاد فرمایا: ''اچھا کون ضمانت دیتا ہے کہ تو تین دن کے بعد تکمیلِ قصاص کے لئے چلا آئے گا؟''

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر اس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین کے چہروں پر ایک نظر ڈال کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا: ''یہ میری ضمانت دیں گے۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ''ابوذر! تم ضمانت دیتے ہو؟''

انہوں نے فرمایا: ''بے شک میں ضمانت دیتا ہوں کہ یہ نوجوان تین دن بعد حاضر ہو جائے گا۔''

یہ ایسے جلیل القدر صحابی کی ضمانت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی راضی ہو گئے، ان دونوں مدعی نوجوانوں نے بھی اپنی رضا مندی ظاہر کی اور وہ شخص چھوڑ دیا گیا۔

اب تیسرا دن تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دربار بدستور قائم ہوا، تمام جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم جمع ہوئے، وہ دونوں نوعمر مدعی بھی آئے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لائے اور وقتِ مقررہ پر مجرم کا انتظار ہونے لگا۔ اب وقت گزرتا جاتا تھا اور اس مجرم کا پتہ نہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت تشویش پیدا ہوگئی۔ دونوں نوجوانوں نے بڑھ کر کہا"اے ابوذر! ہمارا مجرم کہاں ہے؟"

انہوں نے کمال استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا: "اگر تیسرے دن کا وقتِ مقررہ گزر گیا اور وہ نوجوان نہ آیا، تو اللہ کی قسم! میں اپنی ضمانت پوری کروں گا" عدالتِ فاروقی بھی جوش میں آئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنبھل بیٹھے اور فرمایا: "اگر وہ نوجوان نہ آیا تو ابوذر کی نسبت وہی کاروائی کی جائے گی، جو شریعتِ اسلامی کا تقاضا ہے۔"

یہ سنتے ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم میں تشویش پیدا ہوگئی، بعض آبدیدہ اور بعض کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ لوگوں نے مدعیوں سے کہنا شروع کیا: "تم خون بہا قبول کرو۔" انہوں نے قطعی انکار کیا کہ ہم خون کے بدلے خون ہی چاہتے ہیں۔"

لوگ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگہاں وہ مجرم نمودار ہوا، پسینے میں ڈوبا ہوا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آیا، خندہ پیشانی سے سلام کیا اور عرض کیا "میں اس بچے کو اس کے ماموں کے سپرد کر آیا ہوں اور اس کی جائداد انہیں بتا دی، اب آپ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجا لائیں۔"

اب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں جانتا بھی نہ تھا کہ یہ کون اور کہاں کا رہنے والا ہے، نہ اس روز سے پہلے کبھی اس کی صورت دیکھی، مگر سب کو چھوڑ کر مجھے اس نے اپنا ضامن بنایا، تو مجھے انکار مروت کے خلاف معلوم ہوا اور اس کے بشرے نے یقین دلایا کہ یہ شخص عہد میں سچا ہوگا۔ اس لئے ضمانت کر لی۔"

اس کے آپہنچنے سے حاضرین میں ایسا غیر معمولی جوش پیدا ہوگیا تھا کہ دونوں

مدعی نوجوانوں نے خوشی میں آ کر عرض کیا ''امیر المومنین! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا۔''

سب نے ایک نعرہ مسرت بلند کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا اور فرمایا: ''مدعی نوجوانو! تمہارے باپ کا خون بہا میں بیت المال سے ادا کر دوں گا، تم اپنی اسی نیک نیتی کے ساتھ فائدہ بھی اٹھاؤ گے۔''

انہوں نے عرض کیا ''امیر المومنین! ہم اس حق کو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے معاف کر چکے، لہٰذا اب ہمیں کچھ لینے کا حق نہیں اور نہ لیں گے۔''[1]

فَائِدَۃ: بعض کام ایسے ہیں جن کو لوگ زبان کے ذریعہ تکلیف دینے میں شمار نہیں کرتے، حالانکہ وہ کام زبان سے تکلیف دینے کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً وعدہ خلافی کرنا۔ آپ نے کسی سے یہ وعدہ کر لیا کہ فلاں وقت آپ کے پاس آؤں گا یا فلاں وقت میں آپ کا کام کر دوں گا، لیکن وقت پر وعدہ پورا نہیں کیا، جس کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچی، اس میں ایک طرف تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوا، دوسری طرف دوسرے شخص کو تکلیف پہنچانے کا بھی گناہ ہوا۔ یہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے حکم میں داخل ہے۔[2]

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آ چکا، ساری قوم اس طوفان کے نتیجے میں ہلاک ہوگئی، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مٹی کے برتن بناؤ۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مٹی کے برتن

---

[1] مخزن اخلاق: ص ۳۰۲

[2] اصلاحی خطبات: ۱۲۳/۸

بنانا شروع کر دیے اور دن رات اس میں لگے رہے۔ جب کئی دن گزر گئے اور برتنوں کا ڈھیر لگ گیا تو دوسرا حکم یہ دیا کہ اب سب برتنوں کو ایک ایک کر کے توڑ دو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! میں نے بڑی محنت سے اور آپ کے حکم پر بنائے تھے، اب آپ ان کو توڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمارا حکم یہ ہے کہ اب ان کو توڑ دو۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو توڑ دیا، لیکن دل دُکھا کہ اتنی محنت سے یہ برتن بنائے، اور ان کو تڑوا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! تم نے اپنے ہاتھوں سے یہ برتن بنائے اور میرے حکم سے بنائے، ان برتنوں سے تمہیں اتنی محبت ہوگئی کہ جب میں نے تمہیں ان کو توڑنے کا حکم دیا تو تم سے توڑا نہیں جا رہا تھا، دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ برتن جو میری محنت اور میرے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں، کسی طرح بچ جائیں تو بہتر ہے، اس لیے کہ تمہیں ان برتنوں سے محبت ہوگئی تھی، لیکن تم نے ہمیں نہیں دیکھا کہ ساری مخلوق ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائی اور تم نے ایک مرتبہ کہہ دیا:

﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾[1]

ترجمہ: "اے اللہ! زمین میں بسنے والے سب کافروں کو ہلاک کر دے اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے۔"

تمہارے اس کہنے پر ہم نے اپنی مخلوق کو ہلاک کر دیا۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ جس مٹی سے تم برتن بنا رہے تھے، باوجودیکہ وہ مٹی تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی اور اپنی خواہش سے وہ برتن نہیں بنا رہے تھے، بلکہ میرے حکم سے بنا رہے تھے، پھر بھی تمہیں ان سے محبت ہوگئی تھی، تو کیا ہمیں اپنی مخلوق سے محبت نہیں ہوگی؟

---

[1] نوح: آیت ۲۶

جب محبت ہے تو پھر تمہیں بھی میری مخلوق کے ساتھ محبت کرنی پڑے گی، اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔[1]

فائدہ: جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

یعنی لوگوں نے تصوف اس کا نام رکھ لیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح ہو، مصلیٰ بچھا ہوا ہو گدڑی ہو، درویشانہ لباس پہنا ہوا ہو۔ ان چیزوں کا نام تصوف اور طریقت نہیں ہے، بلکہ تصوف اور طریقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مخلوق کی خدمت ہو--- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو پھر ہماری مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔[2]

پڑوسیوں کے حقوق

ایک بزرگ چوہوں کے ہاتھوں بڑے پریشان تھے، دوستوں سے مشورہ کیا، کسی نے بتایا آسان علاج یہ ہے کہ ایک بلی پال لیں، چوہے بھاگ جائیں گے، آپ نے فرمایا: علاج تو مؤثر ہے، لیکن چوہے بھاگ کر پڑوسیوں کے گھر چلے جائیں گے اور انہیں ناحق تکلیف ہوگی، جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے بہت سے حقوق بیان کئے ہیں، لہٰذا میں خود تکلیف برداشت کرلوں گا مگر پڑوسیوں کو پریشان نہیں کرسکتا۔[3]

---

[1] اصلاحی خطبات: ۲۲۲/۸

[2] اصلاحی خطبات: ۲۲۳/۸

[3] خزینہ: ص ۱۹۲

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاںان

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں لکھتے ہیں کہ پڑوس کا حق صرف اتنا نہیں ہے کہ اس کو تکلیف نہ پہنچائیں اور تنگ نہ کریں، بلکہ اس کے لئے تکالیف کو برداشت کریں، اگر پڑوسی کی طرف سے تنگ کیا جائے تو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کریں، اگر پڑوسی صرف اپنی طرف سے دوسرے پڑوسی کو ایذاء وتکلیف نہ پہنچائے تو یہ ادائیگی حقوق کا کامل درجہ نہیں ہے، بلکہ اگر اس کی طرف سے تکلیف بھی ملے تو بھی نرمی اور معروف طریقہ اور ان کے ساتھ بھلائی میں فرق نہ آئے۔[1]

مہربان کیسے کیسے

مولانا زکی کیفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ایک روز والد صاحب (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) اور یہ ناکارہ بعد مغرب مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ فرمانے لگے، آم چوسو گے؟

والد صاحب نے عرض کیا: آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ، نورٌ علیٰ نور، ضرور عطا ہوں۔ میاں صاحب اٹھے، ایک ٹوکری میں آم لاکر رکھے اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی اور چھلکوں کے لئے سامنے لاکر رکھ دی۔ ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لئے چلے۔

پوچھا: یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے؟

عرض کیا: چھلکے باہر پھینکنے کے لئے جارہا ہوں۔

ارشاد ہوا: پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] احیاء علوم الدین: ۲/۲۸۷

والد صاحب نے فرمایا: حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جس کو سیکھنا ضروری ہے؟

فرمایا: ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں، لاؤ مجھے دو، خود ٹوکری اٹھا کر پہلے گٹھلی چھلکوں سے علیحدہ کی، اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے کے ساتھ متعین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے، اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔

والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا: ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں، زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے، اگر وہ پھلوں کے ایک جگہ چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور تنگ دستی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا۔ اس لئے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں، یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں، بچے ان کو بھون کر کھا لیتے ہیں۔ یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہے، ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔[1]

فائدہ: حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیان میں فرمایا: جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اُٹھاتا ہے اس کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمے واجب ہو جاتی ہے۔[2]

کفایت شعاری کی مثال

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۵۵

[2] باادب بانصیب۔ ص ۲۳۲

کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بکس میں بہت سے چھوٹے، بڑے سادہ کاغذوں کا ڈھیر جمع رہتا تھا۔ دیکھنے والے بڑے حیران کہ ان کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں ہے۔ بظاہر یہ چھوٹے، بڑے کاغذ کسی کام کے بھی نہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے؟

دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت کے پاس جو خطوط آتے تھے ان میں تحریر کے بعد جو فاضل کاغذ چھوٹا ہوا ہوتا تھا آپ اس کو کاٹ کر بکس میں رکھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان کا پیسہ ضائع نہ ہو، پھر اس سے چھوٹی موٹی ضروریات میں کام لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہزاروں خطوط کے جوابات دیئے جانے کے باوجود بھی کبھی بازار سے کاغذ نہیں خریدا گیا۔

فائدہ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا: اصول سب سے بڑا یہ ہے کہ ضروریات پر خرچ کرو اور فضولیات سے بچو۔

یہ صرف ایک مثال تھی خرچ کرنے میں کفایت شعاری کی۔ ہمارے پاس بھی یہ چیزیں امانت ہیں مدرسہ کی ان چیزوں کو ضائع ہونے سے بچایئے اور فرمایا: ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نعمت اللہ کی ہم کو حاصل ہو اس کی قدر کرلیا کریں۔[1]

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۱۷۳

⑫ خوفِ آخرت

تقویٰ کے ذریعے اللہ کی طرف سے حق و باطل کی پہچان کا ملکہ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝﴾[1]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں ایک فرق کرنے والی چیز عطا فرمائیں گے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ کریں گے اور تمہاری مغفرت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔''

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ جو قرآن مجید نے ''یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا'' ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں فرق کرنے والی چیز عطا فرمائیں گے۔ اس سے علمی فرق اور عملی فرق دونوں مراد ہیں، علمی فرق کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تمہیں ایسا نورِ بصیرت اور ایمانی فراست عطا فرمائیں گے کہ حق اور باطل کے اندر تمیز کرنا تمہارے لئے سہل اور آسان ہو جائے گا۔ یہ تو علمی فائدہ ہوا اور عملی فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دشمن پر تمہیں غلبہ عطا فرمائیں گے اور آخرت کے اندر نجات ''عَنِ النَّارِ'' سے سرفراز فرمائیں گے۔

---

[1] الانفال: آیت ۲۹

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

ایک بزرگ ایک مسلمان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، تھوڑی دیر مریض کے پاس بیٹھے تھے کہ اس کی روح پرواز کر گئی، اس موقع پر جو چراغ جل رہا تھا انہوں نے فوراً اسے بجھا دیا اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا اور روشنی کی، لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا:

تو فرمایا جب تک وہ شخص زندہ تھا یہ چراغ اس کی ملکیت تھی اور اس کی روشنی استعمال کرنا درست تھا، یہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کی ہر چیز میں وارثوں کا حق ہو گیا، لہٰذا سب وارثوں کی اجازت ہی سے ہم یہ چراغ استعمال کر سکتے ہیں، اور وہ سب یہاں موجود نہیں ہیں، لہٰذا اپنے پیسوں سے تیل منگا کر روشنی کی۔[1]

فائدہ: یہ بات حصولِ تقویٰ کے معاون میں سے ہے کہ آدمی اپنے معاملات صاف رکھے، لہٰذا دوسروں کی چیز جب استعمال کر چکو تو فوراً واپس کر دو، اگر کوئی اتفاق سے اس وقت لے جانے والا نہ ملے تو اس کو اپنے استعمال کی چیزوں میں ملا جلا کر نہ رکھو۔ بالکل علیحدہ رکھو، تاکہ وہ چیز ضائع نہ ہو، ویسے بھی بلا اجازت کسی کی چیز استعمال کرنا گناہ ہے، دوسرے کی چیز بلا اجازت استعمال کرے تو استعمال کر کے اسی جگہ رکھ دے تاکہ اُسے پریشانی نہ ہو۔[2]

شہزادگی میں غمِ آخرت

خلیفہ ہارون رشید رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ وہ بہت کثرت سے زاہدوں اور بزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا اور اکثر

---

[1] معارف القرآن: ۳۱۷/۲، النساء: ۱۰

[2] آداب المعاشرت: ص ۱۸۸

قبرستان چلا جاتا، وہاں جا کر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دنیا میں تھے، دنیا کے مالک تھے، لیکن اُس دُنیا نے تمہیں نجات نہ دی حتیٰ کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ کاش! مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گزر رہی ہے اور تم سے کیا کیا سوال و جواب ہوئے ہیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہے:

تُرَوِّعُنِیَ الْجَنَائِزُ کُلَّ یَوْمٍ   وَیَحْزُنُنِیْ بُکَاءُ النَّائِحَاتِ

ترجمہ: "مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں۔"

ایک دن وہ اپنے والد (ہارون رشید) کی مجلس میں آیا، اُس کے پاس وُزراء اُمراء سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک معمولی کپڑا اور سر پر ایک لنگی بندھی ہوئی تھی۔ اراکینِ سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے امیر المؤمنین کو بھی دوسرے بادشاہوں کی نگاہ میں ذلیل کر دیا، اگر امیر المؤمنین اس کو تنبیہ کریں تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز آجائے۔ امیر المؤمنین نے یہ بات سن کر اُس سے کہا: بیٹا! تو نے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے۔

اُس نے یہ بات سن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا، لیکن ایک پرندہ وہاں بیٹھا ہوا تھا اُس کو کہا: اُس ذات کا واسطہ جس نے تجھے پیدا کیا تو میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا۔ وُہ پرندہ وہاں سے اُڑ کر اُس کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا، پھر کہا: اب اپنی جگہ چلا جا، وُہ ہاتھ پر سے اُڑ کر اپنی جگہ چلا گیا، اُس کے بعد اُس نے عرض کیا: ابا جان! اصل میں آپ دنیا سے جو محبت کر رہے ہیں اس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے، اب میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جدائی اختیار کر لوں۔

یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف اپنے ساتھ لیا، چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اُس کو دے دی (کہ احتیاج کے وقت اُس کو فروخت کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر بصرہ پہنچ گیا اور وہاں مزدوری

کرنے لگا، ہفتہ میں صرف ایک دن شنبہ کو مزدوری کرتا اور آٹھ دن تک وہ مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں دن پھر شنبہ کو مزدوری کر لیتا اور ایک دِرہم اور ایک دانق (یعنی دِرہم کا چھٹا حصہ) مزدوری لیتا، اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا، ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔

ابو عامر بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میری ایک دیوار گر گئی تھی، اُس کو بنوانے کے لئے میں کسی معمار کی تلاش میں نکلا (کسی نے بتایا ہوگا کہ یہ شخص بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) میں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے، ایک زنبیل پاس رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے، میں نے اُس سے پوچھا کہ لڑکے مزدوری کروگے؟

کہنے لگا: کیوں نہیں کریں گے، مزدوری کے لئے تو پیدا ہی ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کیا خدمت مجھ سے لینی ہے؟

میں نے کہا: گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے۔

اُس نے کہا: ایک درہم اور ایک دانق مزدوری ہوگی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا، مجھے نماز کے لئے جانا ہوگا۔

میں نے اُس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں اور اُس کو لا کر کام پر لگا دیا۔

مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا تو اُس نے دس آدمیوں کی بقدر کام کیا۔ میں نے اس کو مزدوری میں دو دِرہم دیئے، اُس نے شرط سے زائد لینے سے انکار کر دیا اور ایک دِرہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن میں پھر اُس کی تلاش میں نکلا، وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کی کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری کیا کرتا ہے، کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا؟

لوگوں نے بتایا کہ وہ صرف شنبہ ہی کے دن مزدوری کرتا ہے، اس سے پہلے تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔

مجھے اُس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ میں نے آٹھ دن کو اپنی تعمیر بند کر دی اور شنبہ کے دن اُس کی تلاش کو نکلا، وہ اُسی طرح بیٹھا قرآن شریف پڑھتا ہوا ملا، میں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا، اُس نے وہی پہلی دو شرطیں بیان کیں، میں نے منظور کر لیں، وہ میرے ساتھ آکر کام میں لگ گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے شنبہ کو اس اکیلے نے دس آدمیوں کا کام کس طرح کر لیا، اس لئے اس مرتبہ میں نے ایسی طرح چھپ کر کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔ اُس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا تو یہ منظر دیکھا کہ وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہے، اور اللہ کے اولیاء کے کاموں کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے۔ جب شام ہوئی تو میں نے اس کو تین درہم دینا چاہے۔ اُس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اتنے درہم کیا کروں گا اور ایک درہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔

میں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے شنبہ کو پھر میں اُس کی تلاش میں نکلا مگر وہ مجھے نہ ملا، میں نے لوگوں سے تحقیق کی۔ ایک شخص نے بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے، فلاں ویرانہ جنگل میں پڑا ہے۔ میں نے ایک شخص کو اُجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اُس جنگل میں پہنچا دے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اُس جنگل ویران میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بے ہوش پڑا ہے، آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کو سلام کیا، اُس نے جواب نہ دیا، میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا تو اُس نے (آنکھ کھولی اور) مجھے پہچان لیا، میں نے جلدی سے اُس کا سر اینٹ پر سے اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اُس نے سر ہٹا لیا اور چند شعر پڑھے جن میں سے دو یہ ہیں ؎

یَا صَاحِبِيْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ
فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ

وَإِذَا حَمَلْتَ إِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً
فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

ترجمہ: ”میرے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ۔ عمر ختم ہوتی جا رہی ہے اور یہ نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی، جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے، تو یہ یقین کر لے کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اُٹھایا جائے گا۔“

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا: ابو عامر! جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا۔

میں نے کہا: میرے محبوب! اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے لئے نئے کپڑے لے آؤں؟

اُس نے جواب دیا: نئے کپڑوں کے لئے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں (یہ جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب ہے، انہوں نے بھی اپنے وصال کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری اِنہی چادروں میں کفن دے دینا اور جب اُن سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا)۔ لڑکے نے کہا: کفن تو (پرانا ہو یا نیا، بہرحال) بوسیدہ ہو جائے گا، آدمی کے ساتھ تو صرف اُس کا عمل ہی رہتا ہے اور یہ میری لنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارون رشید تک پہنچا دینا اور اس کا خیال رکھنا کہ خود انہیں کے ہاتھ میں دینا اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے اور وہ آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آجائے، یہ کہہ کر اس کی رُوح نکل گئی۔

اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا۔ اُس کے اِنتقال کے بعد اُس کی وصیت کے موافق میں نے اُس کو دفن کر دیا اور دونوں چیزیں گورکن کو دے دیں اور

قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہنچا اور قصرِ شاہی کے قریب پہنچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی، میں ایک اُونچی جگہ کھڑا ہوگیا، اوّل ایک بہت بڑا لشکر نکلا جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑسوار تھے۔ اُس کے بعد اُسی طرح یکے بعد دیگرے دس لشکر نکلے، ہر ایک میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے، دسویں جتھے میں خود امیرلمؤمنین بھی تھے۔

میں نے زور سے آواز دے کر کہا: اے امیرالمؤمنین ! آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت، رشتہ داری کا واسطہ، ذرا سا توقف کر لیجیے۔ میری آواز پر انہوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا: میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے جس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہنچا دوں۔

بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سر جھکایا۔ اُن کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے اور ایک دربان سے کہا: اس آدمی کو اپنے ساتھ رکھو، جب میں واپسی پر بلاؤں تو میرے پاس پہنچا دینا۔ جب وہ باہر سے واپسی پر مکان پر پہنچے تو محل کے پردے گروا کر دربان سے فرمایا اُس شخص کو بلا کر لاؤ اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔ دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اُمیرالمؤمنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے، اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو تو پانچ ہی پر اکتفا کرنا، یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا، اُس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے۔ مجھ سے فرمایا: میرے قریب آجاؤ۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے: تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو؟

میں نے کہا جی ہاں، میں ان کو جانتا ہوں۔

کہنے لگے: وہ کیا کام کرتا تھا؟

میں نے کہا: گارے مٹی کی مزدوری کرتا تھا۔

کہنے لگے: تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اُس سے کرایا ہے؟

میں نے کہا: کرایا ہے۔

کہنے لگے: تمہیں اس کا خیال نہ آیا کہ اس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت تھی؟ (کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں)۔

میں نے کہا: امیر المومنین! پہلے اللہ جل شانہ سے معذرت چاہتا ہوں، اس کے بعد آپ سے عذر خواہ ہوں، مجھے اُس وقت اس کا علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہیں، مجھے ان کے انتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے: تم نے اپنے ہاتھ سے اس کو غسل دیا؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

کہنے لگے: اپنا ہاتھ لاؤ۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینہ پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے وہ مسافر جس پر میرا دل پگھل رہا ہے اور میری آنکھیں اس پر آنسو بہا رہی ہیں! اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دُور ہے لیکن اُس کا غم میرے قریب ہے! بے شک موت ہر اچھے سے اچھے عیش کو مکدر کر دیتی ہے، وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اُس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اُس کے بدن پر) پس چاند کا ٹکڑا بھی قبر میں پہنچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہنچ گئی۔"

اُس کے بعد ہارون رشید نے بصرہ اُس کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا، ابو عامر ساتھ تھے، اُس کی قبر پر پہنچ کر ہارون رشید نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا! موت نے کم عمری کے ہی زمانہ میں اُس کو جلدی سے اُچک لیا، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! تو میرے لئے اُنس اور دل کا چین تھا، لمبی راتوں میں بھی اور

مختصر راتوں میں بھی، تو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پیئے گا، بلکہ دنیا کا ہر آدمی اُس کو پیئے گا، چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا ہو۔ پس سب تعریفیں اُسی "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" کے لئے ہیں جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں۔"

ابو عامر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس کے بعد جو رات آئی، تو جب میں اپنے وظائف پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں ایک نور کا قبہ دیکھا، جس کے اُوپر اَبر کی طرح نور ہی نور پھیل رہا ہے، اُس نور کے اَبر میں سے اُس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا:

اَبو عامر! تمہیں حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز و تکفین کی اور میری وصیت پوری کی)۔

میں نے اُس سے پوچھا کہ میرے پیارے تیرا کیا حال گزرا؟

کہنے لگا: میں ایسے مولیٰ کی طرف پہنچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے۔ مجھے اُس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں، نہ کسی آدمی کے دِل پر ان کا خیال گزرا (یہ ایک مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ جل جلالہ کا پاک ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کان نے سنیں، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا)۔[1]

فَائِدَۃ: اسی کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا:

"مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ"۔[2]

---

[1] نزهة السباتين ترجمه روضة الرياحين: ص٦٨ تا ٧٢، حكايت: ١٨

[2] صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب من احب لقاء الله: ٢/٩٦٣

جو اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے ملنے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ تو ہر وقت موت کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ع

غَدًا نَلْقِی الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهٗ

کل کو اپنے دوستوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات ہوگی۔ اسی موت کے دھیان کے نتیجے میں زندگی شریعت اور اتباعِ سنت کے اندر ڈھل جاتی ہے، اور ہر وقت موت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بہر حال، تھوڑا سا وقت نکال کر موت کا تصور کیا کرو کہ موت آنے والی ہے، اس کے لئے میں نے کیا تیاری کی ہے۔[1]

مقصدِ زندگی

حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا، راستہ میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا، مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے کے پاس بادام اور اخروٹ نہیں ہیں، ان کی وجہ سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کو کہا: بیٹا! تجھے میں اخروٹ بادام خرید دوں گا تو بھی ان سے کھیلنا۔

اُس نے میری طرف نگاہ اُٹھا کر کہا: ارے بے وقوف! کیا ہم کھیل کود کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔

میں نے پوچھا: پھر کس کام کے واسطے پیدا ہوئے ہو؟

کہنے لگا: علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کرنے کے واسطے۔

میں نے کہا: اللہ جل شانہ، تیری عمر میں برکت کرے تو نے یہ بات کہاں سے

---

[1] اصلاحی خطبات: ۲۸۰/۷

معلوم کی؟

کہنے لگا: حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔“

میں نے کہا: بیٹا! تو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے، مجھے کچھ نصیحت کر۔

اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

”میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے، (آج یہ گیا کل وہ گیا) ہر وقت چلنے کے لئے دامن اُٹھائے قدم اور پنڈلی پر (دوڑنے کے لئے تیار رہتی ہے)، پس نہ تو دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہتی ہے، نہ کوئی زندہ دنیا کے لئے باقی رہتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں، جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں، پس او بے وقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، ذرا غور کر اور دنیا سے اپنے لئے کوئی (آخرت میں کام آنے والی) اعتماد کی چیز لے لے۔“

یہ شعر پڑھ کر اس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھائے اور آنسوؤں کی لڑی اس کے رخساروں پر جاری تھی اور یہ مزید دو شعر پڑھے ؎

يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُبْتَهَلُ   يَا مَنْ عَلَيْهِ الْمُتَّكَلُ
يَا مَنْ اِذَا مَا اٰمِلٌ   يَرْجُوْهُ لَمْ يَخِطِ الْاَمَلُ

جن کا ترجمہ یہ ہے: ”اے وہ پاک ذات! کہ اسی کی طرف عاجزی کی

---

[1] مؤمنون: ۱۱۵

جاتی ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، اے وہ پاک ذات! کہ جب اس سے کوئی شخص اُمید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہو سکتا، اس کی اُمید ضرور پوری ہوتی ہے۔''

یہ شعر پڑھ کر وہ بے ہوش ہو کر گر گیا، میں نے جلدی سے اُس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اُس کے منہ پر جو مٹی وغیرہ لگ گئی تھی، پونچھنے لگا، جب اُس کو ہوش آیا تو میں نے کہا: بیٹا! ابھی سے تمہیں اتنا خوف کیوں ہو گیا، ابھی تو تم بہت بچے ہو۔ ابھی تمہارے نامہ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائے گا۔

کہنے لگا: بہلول ہٹ جاؤ، میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہیں تو پہلے چھوٹی چھوٹی چھپٹیاں ہی چولہے میں رکھتی ہیں، اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ میں نہ رکھ دیا جاؤں۔

میں نے کہا: صاحبزادہ! تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو، مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اُس نے اس پر مزید چودہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آ رہا ہے، اگر میں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا، میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا، حالانکہ میرے بدن کے لیے (قبر میں جا کر) گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کار نہیں، وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب کہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں گا، میرے اُوپر مٹی کا ڈھیر ہو گا اور نیچے قبر کا گڑھا ہو گا اور میرا یہ حسن و جمال سارا کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا حتیٰ کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی، میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے، اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہوتیں، اور بڑا طویل

سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں اور میں نے کھلم کھلا
گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان اور محافظ کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی
حرکتیں کی ہیں جو اَب واپس بھی نہیں ہوسکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں
وہ بے کیا نہیں ہو سکتا) اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لئے
پردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو، لیکن میرے جتنے مخفی گناہ ہیں
وہ کل کو اُس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے، (اس کی پیشی میں پیش
ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اُس کا خوف ضرور تھا، لیکن میں
اُس کے غایتِ حلم پر بھروسہ کرتا رہا (جس کی وجہ سے جرأت ہوتی رہی)
اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ بڑا غفور ہے، اس کے سوا کون معافی دے
سکتا ہے، بے شک تمام تعریفیں اُسی پاک ذات کے لئے ہیں، اگر
موت کے اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت
نہ بھی ہوتی، تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ
موجود تھی کہ کھیل کود سے احتراز کیا جاتا، لیکن کیا کریں کہ ہماری عقل
زائل ہوگئی (کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی، بس اب اس کے
سوا کوئی چارہ نہیں کہ) کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کردے،
جب کسی غلام سے کوئی لغزش ہوتی ہے، تو آقا ہی اُس کو معاف کرتا ہے،
بے شک میں بدترین بندہ ہوں، جس نے اپنے مولیٰ کے عہد میں
خیانت کی اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی قول وقرار
معتبر نہیں ہوتا، میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو
میرا کیا حال بنے گا، جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اُس آگ کو
برداشت نہیں کرسکتے۔ میں موت کے وقت بھی تن تنہا رہ جاؤں گا، قبر
میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا، قبر سے بھی اکیلا ہی اُٹھوں گا (کسی جگہ بھی

کوئی میرا معین و مددگار نہ ہوگا)۔ پس اے وہ پاک ذات! جو خود اکیلی ہے "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" ہے، ایسے شخص پر رحم کر جو بالکل تن تنہا رہ گیا۔"

بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اُس کے یہ اشعار سن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا، بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا، میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون تھا؟

وہ کہنے لگے: تو اس کو نہیں جانتا، یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہے۔

میں نے کہا: مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے، واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اس خاندان کی برکتوں سے منتفع فرمائے آمین۔[1]

فائدہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا: عالم کون ہے؟

"قَالَ: اَلْعَالِمُ الْعَامِلُ، رَاغِبٌ إِلَى الْاٰخِرَةِ، زَاهِدٌ فِي الدُّنْيَا."

ترجمہ: "آپ نے فرمایا: عالم وہ ہے جو باعمل ہو، آخرت کی طرف راغب ہو اور دُنیا سے بے رغبت ہو۔"[2]

خوفِ خدا

ایک بزرگ نے ایک طالبِ علم کا قصہ سنایا جو دہلی میں پڑھتے تھے اور ایک مسجد میں رہا کرتے تھے، اس محلّہ میں ایک عورت اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ملنے

[1] نزهة السباتين ترجمه روضة الرياحين: ص۱۰۲، ۱۰۳، حکایت: ۵۶
[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۵۹۷

کے لئے آ رہی تھی، اتفاق سے وہاں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا، اس کو پناہ کی جگہ وہی مسجد ملی، رات کا وقت تھا، طالبِ علم اس کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اس سے معذرت کی کہ آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں، لوگ دیکھیں گے تو میری ذلت ہوگی اور مسجد سے نکال دیں گے جس سے میری تعلیم کا نقصان ہوگا، اس عورت نے حال بیان کیا اور کہا: آپ بتایئے ایسی حالت میں جانے میں میری بے عزتی کا خطرہ ہے، طالبِ علم خاموش ہوگیا اور اس سے کہا: ایک کونے میں بیٹھ جا اور خود حجرہ میں مطالعہ میں مشغول ہوگیا، رات بھر مطالعہ میں مشغول رہا اور اثناءِ مطالعہ میں بار بار چراغ کی بتی میں انگلی رکھ دیتا تھا، ساری رات اس طرح گزاری، عورت یہ ماجرا دیکھتی رہی، جب صبح قریب ہوئی تو طالبِ علم نے کہا: فسادی اپنے اپنے گھر چلے گئے، اس وقت راستہ صاف ہے آپ چلیئے میں آپ کے گھر آپ کو پہنچا دوں، اس نے کہا: میں اس وقت تک نہ جاؤں گی جب تک آپ مجھے اس کا راز نہ بتا دیں کہ آپ بار بار انگلی چراغ میں کیوں رکھ دیتے تھے؟

طالبِ علم نے کہا: آپ کو اس سے کیا غرض آپ اس کے پیچھے نہ پڑیں، مگر جب عورت مصر ہوئی تو اس نے کہا: شیطان بار بار میرے دل میں وسوسہ ڈال رہا تھا اور بدکاری کی ترغیب دے رہا تھا اس لئے میں انگلی رکھ دیتا تھا اور اپنے نفس کو خطاب کرتا تھا: اس دنیا کی معمولی سی آگ جب برداشت نہیں تو جہنم کی آگ پر کیوں دلیری کر رہا ہے، اللہ پاک کا شکر ہے کہ اس نے میری حفاظت فرمائی۔

عورت یہ سن کر اپنے گھر چلی گئی، وہ مالدار کی لڑکی تھی، اس کا رشتہ ایک مالدار لڑکے سے ہونے والا تھا، اس نے اس رشتہ سے انکار کر دیا اور والدین سے کہا: میں فلاں طالبِ علم سے اپنا نکاح کروں گی، والدین اور تمام اعزہ و اقارب اس کو سمجھاتے تھے، بہت سے لوگوں کو کچھ بدگمانی بھی ہونے لگی۔

جب اس عورت نے یہ ماجرا دیکھا تو پورا قصہ سنایا اور کہا: میں اسی کے ساتھ

نکاح کروں گی، اس کے دل میں خدا کا خوف ہے اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا، آخر کار اس کا نکاح اس طالب علم سے ہو گیا اور وہ اس گھر کا مالک ہو گیا۔[1]

فائدہ: انسان کبھی کبھی اپنی موت کا اور جنت اور جہنم کی ان باتوں کا تصور کیا کرے، اس سے رفتہ رفتہ دلوں میں گداز اور خوف پیدا ہوگا، اس کے ذریعے پھر نیک اعمال کا کرنا آسان ہو جائے گا اور گناہوں کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔[2]

تقویٰ کے حصول کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا خوب اہتمام کرنا چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔[3]"

ترجمہ: "اے اللہ! تو میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اس کو پاک کر تو سب سے اچھا پاک صاف کرنے والا ہے تو ہی اس نفس کا مولا اور آقا ہے۔"

[1] آداب المتعلمین: ص ۲۳

[2] اصلاحی خطبات: ۱۷۱/۸

[3] مسند احمد: ۳۹۹/۵

⑬ دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس کے آداب

ہم طالبِ علم ہیں اور اس حوالے سے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم کو حاصل کر رہے ہیں، ہماری ذمہ داری عام مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، عام امتی جو قرآن وسنت کے علوم سے ناواقف ہیں اور قرآن وسنت کے تفصیلی علوم سے بے خبر ہیں، وہ پوری راہ نمائی کرنے کے قابل نہیں، راہ نمائی تو قرآن وسنت سے ملتی ہے اور وہ اس سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں، ان کے لئے آپ حضرات کی راہ نمائی میں چلنا اور ہر قدم پر آپ سے پوچھ کے چلنا فرض ہے، یہ راہ نمائی کا فریضہ عالمِ ربانی ادا کر سکتا ہے، جس نے اپنے علم میں للّٰہیت کے ساتھ رسوخ پیدا کیا ہو۔

نصیحتِ فاروقی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابنِ ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند سے نقل کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک بڑا بارعب قوی آدمی تھا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا: امیر المومنین! اس کا حال نہ پوچھیے، وہ تو شراب میں بدمست رہنے لگا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منشی کو بلایا اور کہا: یہ خط لکھو:

"مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلٰی فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ. سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ"

تَرجَمہ: "من جانب عمر بن خطاب بنام فلاں بن فلاں۔ تم پر سلامتی ہو، اس کے بعد میں تمہارے لئے اس اللہ کی حمد پیش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ کو قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا، بڑی قدرت والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

پھر حاضرین مجلس سے کہا: سب مل کر اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا اس کو ہدایت کر دی تھی کہ یہ خط اس کو اس وقت تک نہ دے جب تک کہ وہ نشہ سے ہوش میں نہ آئے اور کسی دوسرے کے حوالے نہ کرے۔

جب اس کے پاس حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خط پہنچا اور اس نے پڑھا تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا بھی گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے، پھر رونے لگا اور شراب نوشی سے باز آگیا، ایسی توبہ کی کہ پھر اس کے پاس نہ گیا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے فرمایا: ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیئے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو اس کو درستی پر لانے کی فکر کرو اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ اور اللہ سے اس کے لئے دعا کرو کہ وہ توبہ کر لے اور تم اس کے مقابلہ پر شیطان

کے مددگار نہ بنو۔

یعنی اس کو برا بھلا کہہ کر یا غصہ دلا کر اور دین سے دور کر دو گے تو یہ شیطان کی مدد ہوگی۔[1]

فائدہ: اگر کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہے اور آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر میں اس کو اس گناہ سے روکوں گا تو یقین ہے کہ یہ شخص مانے گا نہیں، بلکہ یہ شخص الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا اور اس کی توہین کرے گا اور اس توہین کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ شریعت کے کسی حکم کی توہین کرنا صرف گناہ نہیں، بلکہ یہ عمل انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور کافر بنا دیتا ہے، لہٰذا اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس شخص کو اس وقت اس گناہ سے روکوں گا تو یہ شریعت کے حکم کی توہین کرے گا تو ایسی صورت میں اس وقت نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے ایسے موقع پر اس کو اس گناہ سے نہیں روکنا چاہیے، بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کر لینا چاہیے اور اس شخص کے حق میں دعا کرنا چاہیے کہ یا اللہ! آپ کا یہ بندہ ایک بیماری میں مبتلا ہے، اپنے فضل و کرم سے اس کو اس بیماری سے نکال دیجیے۔[2]

حکیمانہ اسلوب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاحِ خلق کی توفیقِ خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔

اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مراد آبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ص۱۱٦٤، المؤمن: ۳

[2] اصلاحی خطبات: ۳۲/۸

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا کہ جگر مراد آبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی، تو وہ کہنے لگے: کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا، اس لئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں۔

حضرت نے خواجہ صاحب سے پوچھا، پھر آپ نے کیا جواب دیا؟

خواجہ صاحب نے عرض کیا: میں نے کہہ دیا ہاں یہ تو صحیح ہے، ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟

حضرت نے فرمایا "واہ خواجہ صاحب، ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔" خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا: آپ کہہ دیتے کہ "جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ، ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔"

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے، تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہوگئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنایا، انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوگئی، اس وقت لوگوں نے کہا: آپ کو اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی شریعت بھی اجازت دے گی، لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس اُم الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔

اللہ تعالیٰ اہل عزم وہمت کی مدد فرماتے ہیں، اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاء کامل حاصل ہوئی، اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے

اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔[1]

فائدہ: شریعت کی بات کہتے وقت ہمیشہ نیت درست رکھنی چاہیے اور یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ ہم مصلح اور بڑے ہیں اور ہم دیندار اور متقی ہیں، دوسرا شخص فاسق اور فاجر ہے، اور ہم اس کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ہم خدائی فوجدار اور داروغہ ہیں، اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ اگر شریعت کی بات کہی جائے گی تو اس کا فائدہ نہ سننے والے کو پہنچے گا اور نہ تمہیں فائدہ ہوگا، اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ تمہارے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہوگیا، جس کے نتیجے میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں رہا اور تمہارا یہ عمل بے کار اور اکارت ہوگیا اور ساری محنت ضائع ہوگئی اور سننے والے کے دل میں بھی تمہاری بات کہنے کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے روکتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔[2]

علامہ نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انداز

امیر شاہ خان صاحب (مرحوم) کہتے ہیں: جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا، اس زمانہ میں مطبع میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے، رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، ڈاڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔

وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے، مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے، غرض بہت گہرے دوست

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۱۰

[2] اصلاحی خطبات: ۳۶/۸

تھے۔ مولانا کے بعض دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولانا کی دوستی سے ناخوش تھے، مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا، حسبِ معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی مولانا کو جب نہلا چکے تو مولانا نے فرمایا: حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو، میرا رنگ اور، اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کر لیتا ہوں، تم اپنے کپڑے لاؤ، میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ داڑھی موجود ہے، تم اس کو بھی چڑھاؤ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ داڑھی۔

وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجیے، میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ داڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں۔

چنانچہ مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور داڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔[1]

فائدہ: حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

جب بھی دوسرے سے شریعت کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو۔ پیار ومحبت اور خیر خواہی کے ساتھ بات کہو، تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم ہو اور اس انداز سے بات کہو کہ سبکی نہ ہو اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے: جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کئی بار ہم نے سنا، وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی۔[2]

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۱۱ [2] اصلاحی خطبات: ۳۶/۸

پہلوانی تو یہ ہے

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا جو غسل کرنا چاہتا تھا، موذن نے اس کو ڈانٹا اور کہا:

''نہ نماز کے، نہ روزے کے، مسجد میں نہانے کے لئے آجاتے ہیں۔''

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موذن کو روکا اور خود اس کے نہانے کے لئے پانی بھرنے لگے اور اس سے فرمایا:

''ماشاء اللہ تم تو بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو۔ ویسے تو بہت زور کرتے ہو، ذرا نفس کے معاملہ میں بھی تو زور کیا کرو، نفس کو دبایا کرو اور ہمت کر کے نماز پڑھا کرو، پہلوانی تو یہ ہے۔''

اتنا سننا تھا کہ وہ شخص شرم سے پانی پانی ہوگیا اور اس نرم گفتگو کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت سے نماز کا پابند ہوگیا۔[1]

فائدہ: بعض افراد پر نرمی کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور سختی سے وہ دین سے بیزار ہو جاتے ہیں، اس لئے لوگوں کے مزاج کو پیشِ نظر رکھ کر بات کرنی چاہیے۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے

---

[1] حکایات الاسلاف عن درایات الاخلاف: ص ۹۶

سردار کہاں ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں، اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا، خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہوگیا اور آپ سے ملاقات کی اور پوچھا: آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی اور اسلام کا پیغام دیا۔

اس نے پوچھا: اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا اور کیا رتبہ ہوگا؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔"

اس چرواہے نے کہا: آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آرہی ہے، ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی

بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔"

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

پڑھ لیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم ایسے وقت میں اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، اور زکوۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔"

اس پر چرواہے نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے، اس کے لئے دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوتی ہے، یا غازی یا شہید، تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجیے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے، تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیں گے اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے۔"

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو، ان کو جا کر واپس کرو، اس

لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں۔[1]"

فائدہ: یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہورہا ہے، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہورہا ہے، بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہورہا ہے اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے یہ نہیں ہوسکتا، آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بے کار جارہی ہیں اور ساری کوششیں بے اثر ہورہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل و دماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کردو اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے۔ چلو یہ کام کرلو۔[2]

اُخوتِ اسلامی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ کالپی تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نہایت صاف ستھرا اُجلے کپڑے پہنے ہوئے جامع مسجد میں نماز کو آیا، اس کے گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے بھنگی تھا اب مسلمان ہوگیا ہے، لیکن وہاں کے چودھری ساتھ کھلانا پلانا تو درکنار اس کے ہاتھ کا برتن بھی نہیں لیتے تھے۔ وہاں جلسہ تھا اس میں وہ بھی موجود تھا اور وہاں کے رئیس بھی جمع تھے۔

بعض لوگوں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خواہش کی کہ آپ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھادیں کہ ایسا پرہیز نہ کیا کریں، یہ اس کی سخت دل شکنی ہے، حضرت نے دل میں سوچا کہ محض سمجھانے سے کچھ کام نہ نکلے گا، سمجھانے سے تو اس وقت

---

[1] اصلاحی خطبات: ۹/۱۱۰

[2] اصلاحی خطبات: ۳/۱۹۳

ہاں ہاں کہہ دیں گے پھر بعد کو کون پرواہ کرتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک لوٹے میں پانی منگوایا، جب پانی آ گیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس نومسلم سے فرمایا: ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پیو، پھر لوٹا اس کے ہاتھ سے لے کر خود بھی ٹونٹی ہی سے منہ لگا کر اس کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا۔ پھر آپ نے سب سے فرمایا: سب لوگ پانی پئیں۔ اس وقت سوا مان لینے کے کسی سے کوئی عذر نہ بن پڑا، سب نے جیسے تیسے پانی پیا۔

پھر حضرت نے فرمایا: دیکھو بھائی اب اس سے پرہیز نہ کرنا۔

کہنے لگے: اجی بس، اب منہ ہی کیا رہا پرہیز کرنے کا، آپ کی ترکیب ہی ایسی ہے کہ ہمارا سارا دھرم ہی لے لیا، اب آپ اطمینان رکھیں، اب ہم اُسے اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں گے، اس سے پرہیز ہی کیا رہ گیا، جب اس کا جھوٹا پانی ہی آپ نے پلوا دیا۔[1]

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ"[2] یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہیے، خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو، بظاہر اس کے ساتھ دوستی کا کوئی تعلق نہ ہو، لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو۔

اس ایک جملے کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی کہ یہ تو فلاں وطن کا رہنے والا ہے اور میں فلاں وطن کا رہنے والا ہوں، یہ فلاں زبان بولنے والا ہے، میں فلاں زبان بولنے والا، یہ فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا، میں فلاں خاندان اور

---

[1] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ٥٦

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب المواخاة: ٢/٣١٤

قبیلے سے تعلق رکھنے والا، اس ایک جملے نے ان امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی، جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، کسی وطن کا باشندہ ہو، کسی بھی پیشے سے اس کا تعلق ہو، کسی بھی ذات یا نسل سے اس کا تعلق ہو، ہر حالت میں وہ تمہارا بھائی ہے۔[1]

دعوتِ تبلیغ کا حکیمانہ انداز

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مرتبہ گزر جلال آباد یا شاملی سے ہوا۔ وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی، آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا: سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں اور زانی ہیں، اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔

مولانا یہ سن کر خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے، وہ نشہ میں مست تھے اور لڑکی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

مولانا نے ان سے فرمایا: ''بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور یہ مسجد آباد ہو جائے۔''

خان صاحب نے کہا: مجھ سے وضو نہیں ہوتا اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں۔

آپ نے فرمایا: بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب نہیں چھوٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو۔ اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔

آپ وہاں سے تشریف لے گئے، کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں

---

[1] اصلاحی خطبات: ۲۰۳/۸

جو کبھی نہ ہوئی تھیں، ایک یہ کہ آپ نے شراب کی اجازت دے دی، دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔ فرمایا: ”سجدے میں میں نے جنابِ باری سے التجا کی تھی اے ربّ العزت! کھڑا تو میں نے کر دیا، اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔“

چنانچہ ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب لڑکی پاس سے چلی گئی تو ظہر کا وقت تھا، اپنا عہد یاد آیا، پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے، لاؤ غسل کر لیں، کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے، چنانچہ غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، نماز کے بعد باغ کو چلے گئے، عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی، مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک لڑکی موجود تھی، پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔

وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ باہر آکر لڑکی سے کہا: آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔[1]

فائدہ: جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی نفسانیت کو فنا کر کے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کے لئے بات کرتا ہے اور اس وقت دنیا والوں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اس کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے تو پھر اس کی بات میں اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایک وعظ میں ہزارہا افراد ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔ آج ہم لوگوں نے اوّل تو تبلیغ و دعوت چھوڑ دی، اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو ایسے طریقے سے کرتا ہے جو لوگوں کو برانگیختہ کرنے کا ہوتا ہے، جس سے صحیح معنی میں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے یہ تین باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اول بات حق ہو، دوسرے نیت حق ہو، تیسرے طریقہ حق ہو۔[2]

دردِ دل

امین گیلانی صاحب لکھتے ہیں:

[1] اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۰۹ [2] اصلاحی خطبات: ۸/۳۱

مولانا نورالحسن صاحب بخاری مرحوم تحریر فرماتے ہیں اور راقم الحروف نے بھی یہ واقعہ خود حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنا کہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان بھنگی کو دیکھا۔ شاہ جی نے کہا: آؤ بھائی کھانا کھالو۔

اس نے عرض کیا: جی میں تو بھنگی ہوں۔

شاہ جی نے درد بھرے لہجے میں فرمایا: انسان تو ہو اور بھوک تو لگتی ہے، یہ کہہ کر خود اٹھے، اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھا لیا، وہ بے چارا تھر تھر کانپتا تھا اور کہتا جا رہا تھا کہ جی میں تو بھنگی ہوں، شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود لقمہ توڑا، شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا اس نے جب آدھا آلو دانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھا لیا، اسی طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔ وقت گزر گیا، وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا، اس پر رقت طاری تھی، وہ خوب رویا اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔

عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی اس کی گود میں ایک بچہ تھا لے کر آیا اور کہا شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجیے اور میاں بیوی دونوں اسلام لے آئے۔

جگر نے خوب کہا۔

؎ وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتحِ زمانہ[۱]

فائدہ: اگر کوئی شخص کافر ہے تو اس کے کفر سے نفرت کرو، اس کی ذات سے نفرت مت کرو، بلکہ اس کے حق میں دعا کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا

[۱] بحوالہ کتابوں کی درس گاہ: ص ۱۱۳

فرمائے۔[1]

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پٹیالہ شہر میں جلسہ تھا۔ حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جلسہ سے خطاب کرنے وہاں پہنچے۔ جلسہ ایک بڑی عمارت کی چھت پر تھا، اس کی سیڑھیاں بہت بڑی تھیں۔ شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ جلسہ گاہ میں جانے کے لئے سیڑھیاں عبور کر رہے تھے۔ دیکھا تو ایک نوجوان ہاتھ میں جھاڑو لئے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہا ہے۔ شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

''برخوردار! کون ہو؟''

نوجوان نے جواب دیا:

''جی! ہم صفائی والے۔''

شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُسے پکڑ کر گلے لگا لیا اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''ذرا یہاں کی بھی صفائی کرتے جاؤ۔''

حضرت امیر شریعت اس کے بعد جلسہ گاہ میں پہنچ گئے، تقریباً آدھ گھنٹے بعد مولانا عبدالجبار ابوہری نے آتے ہی کہا:

''شاہ جی! اسے کیا کہہ کر آئے ہو؟''

شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حیرت سے پوچھا: بھائی کس کو؟''

فرمایا، ''صفائی والے کو۔''

شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

''کچھ بھی نہیں۔''

---

[1] اصلاحی خطبات: ۷/۷۵

مولانا عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حضرت! وہ تو سڑک پر تڑپ رہا ہے اور بہت بے قرار و مضطرب نظر آتا ہے اور کہتا ہے: شاہ جی سے کہو کہ وہ مجھے فوراً مسلمان کریں اور خود میرے دل کی صفائی کر دیں۔''

چنانچہ شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق وہ اس جلسہ میں لایا گیا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا تو شاہ جی کو دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگا:

''آپ نے مجھے گلے سے کیا لگایا کہ میرا دل روشن ہوگیا اور میں دولتِ اسلام حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہوگیا۔''[1]

فائدہ: حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی سنا اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے بھی سنا ہے۔

وہ یہ کہ میں ہر مسلمان کو اپنے سے حالاً اور ہر کافر کو اپنے آپ سے احتمالاً افضل سمجھتا ہوں، ''احتمالاً'' کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت کفر کے اندر مبتلا ہے، لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور وہ کفر کی مصیبت سے نکل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے درجات اتنے بلند کر دے کہ وہ مجھ سے بھی آگے بڑھ جائے۔

اور جو شخص مسلمان ہے، صاحبِ ایمان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کیا معاملات ہیں، کیونکہ ہر انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختلف معاملات ہوتے ہیں، کسی کے بارے میں ہم کیا رائے ظاہر کریں کہ وہ ایسا ہے، اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا

---

[1] حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف: ص ۲۰۷

ہوں۔[1]

ایسی ہی کیفیت اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ہمیں چاہیے کہ اس دُعا کا ضرور اہتمام کریں:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِّأَوْلِيَائِكَ وَحَرْبًا لِّأَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ."[2]

ترجمہ: "اے اللہ تو ہم کو دوسروں کو ہدایت کرنے والا بنا دے اور خود ہمیں ہدایت یافتہ، نہ ایسا کہ خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں، تیرے دوستوں کے لئے صلحِ کل، تیرے دشمنوں کے لئے مجسم جنگ، جو تجھ سے محبت رکھے اس سے تیری محبت کی خاطر ہم محبت رکھیں اور جو تیری مخلوق میں تیرے مخالف ہوں ان کے دشمن بن جائیں تیری دشمنی کی وجہ سے۔"

---

[1] اصلاحی خطبات: ۷/۷۶

[2] کنزالعمال، کتاب الاذکار، فی جوامع الدعا: ۲/۷۵

مآخذ و مراجع

اسماء الکتب	اسماء المصنفین	اسماء المکاتب
احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام محمد غزالی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
ادب الدنیا والدین	ابوالحسین علی بن محمد بن حبیب البصری	دار الکتب العلمیہ
احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور	علامہ ابن رجب الحنبلی	دار الکتب العلمیہ
آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب	معہد الخلیل الاسلامی
آداب المتعلمین	مولانا صدیق احمد صاحب	مجلس نشریات اسلامی
آداب المعاشرت	مولانا اشرف علی تھانوی صاحب	قدیمی کتب خانہ
اصلاحی خطبات	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	میمن پبلشرز
اکابر دیوبند کیا تھے؟	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
البدایۃ والنہایۃ	الامام الحافظ اسماعیل بن کثیر الدمشقی	دار احیاء التراث العربی
بڑوں کا بچپن	....	....
باادب بانصیب	پیر ذوالفقار احمد نقشبندی	مکتبۃ الفقیر فیصل آباد
تفسیر ابن کثیر	الامام الحافظ اسماعیل بن کثیر الدمشقی	دار احیاء التراث العربی
تفسیر البحر المحیط	محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی	دار الکتب العلمیہ بیروت
تفسیر درِ منثور	الامام الحافظ جلال الدین سیوطی	دار احیاء التراث العربی
تفسیر روح المعانی	العلامہ السید محمد الآلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تفسیر قرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری	دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تاریخ بغداد	الحافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	دار الکتب العلمیہ

تاریخ الخلفاء.............. الامام الحافظ جلال الدین سیوطی .... دار الکتب العلمیہ

تذکرۃ الحفاظ .... ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی .... دار احیاء التراث العربی

تذکرۃ السامع والمتکلم فی .... ابن جماعۃ الکنانی .... رمادی للنشر الدمام

ادب العالم والمتعلم ....

الترغیب والترہیب.......... الحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری .... دار الکتب العلمیہ

تعلیم المتعلم .... محمد برہان الاسلام الزرنوجی .... قدیمی کتب خانہ

تہذیب الاسماء واللغات......... محی الدین بن شرف نووی......... دار الکتب العلمیہ بیروت

تحفۃ العلماء .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی...... ادارہ تالیفات اشرفیہ

تحفۃ الطلباء والعلماء.......... مولانا محمد عرفان پالن پوری .... دار الاشاعت

تذکرۃ الخلیل.............. مولانا عاشق الٰہی میرٹھی .... مکتبۃ الشیخ بہادر آباد

تذکرۃ الرشید .... مولانا عاشق الٰہی میرٹھی .... مکتبۃ الشیخ بہادر آباد

تربیت اولاد کا اسلامی نظام .... مولانا محمد قمر الزماں ....

تفہیمات برائے حفاظ وحافظات ... مولانا محمد اسلم شیخوپوری............ مکتبہ حلیمیہ

الجمع بین الرجال الصحیحین......... ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی ....

جامع بیان العلم وفضلہ .... علامہ یوسف ابن عبدالبر .... دار ابن الجوزی

حدائق الحنفیۃ .... فقیر محمد جہلمی............. مکتبہ ربیعہ

حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف.... اعجاز احمد سنگھاوی .... کتب خانہ انور شاہ

خطبات حکیم الامت .... مفتی عبدالرحمٰن خان............. ادارہ تالیفات اشرفیہ

خزینہ .... محمد اسلم شیخوپوری............. مکتبہ حلیمیہ

ذیل طبقات حنابلہ .... الحافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن .... دار الکتب العلمیہ

رحمۃ للعالمین .... مولانا عبدالرحمٰن اعظم گڑھی .... مکتبہ دار العلوم کراچی

الزہد والرقائق .... امام شیخ الاسلام عبداللہ بن مبارک .... دار الکتب العلمیہ

سنن الترمذی .... ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی .... ایچ ایم سعید کمپنی
سنن ابی داود .... الامام الناقد سلیمان بن الاشعث ابوداود السجستانی .... ایچ ایم سعید کمپنی
سنن النسائی .... الحجۃ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی .... قدیمی کتب خانہ
سنن ابن ماجہ .... الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ .... قدیمی کتب خانہ
سیر اعلام النبلاء .... شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی .... قدیمی کتب خانہ
سنہرے اوراق .... عبدالمالک المجاہد .... دارالسلام
شمائل ترمذی .... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب .... مکتبۃ الشیخ
صحیح البخاری .... حافظ الحدیث ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ..... قدیمی کتب خانہ
صحیح المسلم .... حافظ الحدیث ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری ..... ایچ ایم سعید کمپنی
صید الخاطر .... الواعظ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی ..... مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز
طبقات الکبریٰ للسبکی .... ابونصر عبدالوہاب بن علی السبکی .... دارالکتب العلمیہ
طبقات ابن سعد .... محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری .... دارالکتب العلمیہ
العقود الدریۃ .... محمد بن احمد بن عبدالہادی الحنبلی .... مطبعۃ المدنی القاہرہ
علمائے سلف .... حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی .... اسلامی کتب خانہ کراچی
العلم والعلماء .... مولانا محمد اسماعیل ....
عشاق قرآن کے ایمان افروز واقعات .... مولانا محمد اسلم شیخوپوری .... مکتبہ حلیمیہ
فتح الباری .... الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی .... دارالسلام الریاض
فضل برالوالدین ....
فضائل اعمال .... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ..... کتب خانہ فیضی لاہور
قیمۃ الزمن عند العلماء .... عبدالفتاح ابوغدۃ صاحب ..... المکتبۃ الغفوریۃ العاصمیہ
کنز العمال .... علامہ علی المتقی بن حسام الدین الہندی .... دارالکتب العلمیہ
الکامل لابن الاثیر .... ابی الحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم .. دارالکتب العلمیہ بیروت

کتابوں کی درس گاہ میں ...... مولانا ابن الحسن عباسی صاحب .... مکتبہ عمر فاروق

کشکول .... مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب .... دارالاشاعت

گلستان سعدی .... مصلح الدین شیرازی سعدی .... قدیمی کتب خانہ

لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد ..... الواعظ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی ....

لاتحزن .... عبدالفتاح ابوغدۃ صاحب .... مکتبۃ العبیکان بیروت

مسند احمد بن حنبل .... امام احمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی ..... داراحیاء التراث العربی

مشکوٰۃ .... المحدث ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب .... ایچ ایم سعید کمپنی

مدارج السالکین .... ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب بن القیم .... دارالکتب العلمیہ

معارف القرآن .... مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب .... ادارۃ المعارف کراچی

معارف الحدیث .... مولانا منظور احمد نعمانی صاحب .... دارالاشاعت کراچی

موفق للمکی .... الموفق بن احمد الخوارزمی .... دارالکتاب العربی

ملفوظات حکیم الامت ...... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ..... ادارہ تالیفات اشرفیہ

مآثر حکیم الامت .... عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی ...... ادارہ اسلامیات لاہور

مخزن اخلاق .... مولانا رحمت اللہ سبحانی لدھیانوی .... سنی پبلی کیشنز لاہور

مجالس مفتی اعظم .... مفتی عبدالرؤف سکھروی .... ادارۃ المعارف کراچی

مجالس علم وذکر .... شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب .... مکتبہ فاروقیہ

مثالی بچپن .... مولانا محمد اسحاق ملتانی ...... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

مثالی ماں .... مکتبہ بیت العلوم

متاع وقت اور کاروان علم ..... مولانا ابن الحسن عباسی صاحب .... مکتبہ عمر فاروق

نصائح عزیزیہ .... مولانا عزیز الرحمٰن صاحب .. کراچی سول اینڈ ملٹری پریس

نزہۃ البساتین شرح روضۃ الریاحین .. حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... دارالاشاعت

بیت العلم کی چند مطبوعات

درسی بہشتی زیور

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مشہور تصنیف اب نئے انداز میں مردوں اور طلبہ کے لئے تیار کی گئی ہے، جس میں مؤنث کے صیغوں کو مذکر کے صیغوں میں تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ فقہی ابواب اور ہر مضمون کے بعد تمرین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب دینی اور عصری اداروں میں تعلیمی نصاب میں شامل کرنے کے لئے ایک بہترین اور مفید کتاب ہے۔

دراسات فی معرّب القرآن

اس کتاب میں غیر عربی کلمات کی تحقیق، توضیح اور تشریح معتمد بہ اور نایاب کتب سے کی گئی ہے۔ یہ آسان اور عام فہم عربی زبان میں ایک جامع اور منفرد قسم کی انوکھی کتاب ہے، جو متعلّمین اور خصوصاً تفسیر پڑھانے والے معلّمین کے لئے نادر تحفہ ہے۔

مبادیاتِ حدیث

اس کتاب میں علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت وجہ تسمیہ، علم حدیث کی تاریخی حیثیت، حجیت حدیث، تدوینِ حدیث، حدیث کا شرعی حکم، انواع کُتب حدیث، طبقات کتب حدیث، تقسیم حدیث، مقدمۃ الکتاب، فوائد اسناد وغیرہ امور پر تفصیلی کلام کے ساتھ ستر ہ ائمۂ حدیث کا دل چسپ تذکرہ کیا گیا ہے، جو موقوف علیہ

کے طلبہ وطالبات کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

وہ کوہ کن کی بات

اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ، ناظم تعلیمات اور معاون مہتمم مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ کے حالات و واقعات اور زندگی کے مختلف میدانوں میں ان کے تابندہ کارناموں کو ایک خوبصورت ادبی انداز میں پیش کیا گیا ہے، جو ہر ایک کو اپنے مطالعے میں رکھنے کے لیے ایک بہترین کتاب ہے۔

پرچھائیاں

علمی ذوق رکھنے والے احباب کے لئے ایک گراں قدر تحفہ جس میں اسلاف کے طرز زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے، جو ہر طالب علم اور اُستاد کے لئے ایک مفید کتاب ہے۔

ذوق وشوق (اول تا پنجم)

بچوں کے لئے سبق آموز کہانیوں کی دلچسپ سیریز ''ذوق وشوق'' (جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے) جس میں بچوں کی دل چسپی اور نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے بڑے حسین اور عام فہم انداز میں غیر شعوری طور پر اسلامی، اخلاقی تعلیمات سمجھانے اور سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں واقعات بھی ہیں، بچوں کی ذہنی تفریح کے لئے مضامین اور لطائف بھی، اور ساتھ ساتھ سبق آموز نصائح بھی۔

چمکتے جواہر (المعروف بہ خزینۃ الاسرار)

یہ کتاب طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، عتاق، حدود

، وراثت، صرف ونحو کے پیچیدہ مسائل، معلومات قرآنی، معلومات جغرافیہ اور ان جیسے بے شمار دلچسپ معلومات عامہ پر مشتمل ہے۔

درسی سیرت المعروف بہ ''اصح السیر'' (حصہ اول، دوم، سوم)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق، مبارک عادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوبیس (۲۴) گھنٹے کی زندگی کے متعلق پیاری پیاری سنتوں پر مشتمل ایک نایاب کتاب، جس کے مطالعہ سے دلوں میں سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

پریشانی کے بعد راحت

دنیا میں ہر انسان پر کوئی نہ کوئی غم اور پریشانی ضرور آتی ہے، راحت میں اُس پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ دنیا کی ساری راحتیں بھول جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں، چنانچہ اس کتاب میں ایسے ہی سچے اور مستند واقعات وقصص جو پریشانی کے بعد راحت پر مشتمل ہیں جمع کیے گئے ہیں، جس کے پڑھنے سے پریشانی پر صبر اور اس کے بعد راحت کی امید کا جذبہ پیدا ہوگا۔

مظلوم کی آہ

جس میں ایسے عجیب وغریب اور مستند واقعات وروایات ہیں کہ جو ماضی میں مظلوموں کے ساتھ پیش آئے، جس پر انہوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو عبرت ناک سزا دی۔ یہ کتاب ظالم کو ظلم سے بچانے اور مظلوم کو تسلی دینے اور اسے صبر کی تلقین پر بہترین کتاب ہے۔

اگر مسلمان ان دعاؤں کو اپنا معمول بنالیں تو بہت ساری پریشانیوں سے نجات پاسکتے ہیں۔

صبح وشام کی دعائیں (جیبی سائز)

یہ کتاب صبح وشام کی مسنون دعاؤں اور بطور وظیفہ ہر تنگی و پریشانی سے بچنے اور دل ودماغ کو سکون پہنچانے والی بہترین دعاؤں کا مجموعہ ہے۔

سُنّت کے مطابق میّت رخصت کیجئے (بڑا سائز، جیبی سائز)

اس کتاب کے مطالعے سے نیکیوں پر آنا اور گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ اس میں موت سے پہلے کے حالات سے موت کے بعد تک کے مراحل کے ضروری مسائل مثلاً مرد، عورت اور بچوں کے کفنانے، دفنانے اور نماز جنازہ کا طریقہ، زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب کے مسائل صحابہ، تابعین کے اقوال، مستند احادیث کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔

آبِ زم زم کے فضائل اور برکات

اس کتاب میں آب زم زم کے فضائل و برکات، شفائی کمالات اور اس کے عجیب وغریب اثرات کا بے مثال تذکرہ کیا گیا ہے جو عوام کے لئے ایک لاجواب تحفہ ہے۔

کتاب پڑھنے والے اور ناشر کے درمیان باہمی رابطہ

محترم قارئین، بتاریخ ______

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے......

اکابر علماء کرام اور بزرگانِ دین کی نصائح اور ارشادات پر مشتمل بیت العلم کی کتابیں جو بعض علماء کرام اور ان کے معاونین ورفقاء کی محنت، بہترین تصحیح دقیق اور عمدہ تحقیق کے بعد الحمد للہ شائع ہوئی ہیں۔

اس کتاب کے حصول اور آپ کے باہمی رابطہ پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

محترم قارئین آپ کی رائے ہمارے لئے بہت ہی اہم ہے، ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اپنے رائے بھیج کر ہماری کتابوں کا معیار اور بلند فرمائیں گے، تاکہ یہ کتاب ہم سب کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے، آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے۔

امید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس گزارش کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا۔

ہماری کس کتاب کا آپ نے مطالعہ کیا اس کا نام ______

اس کتاب کا تعارف کہاں سے ہوا؟ نشان "✓" لگائیے۔

☐ لائبریری میں مطالعہ کے دوران ☐ دوست کے ذریعہ سے

☐ اشتہار سے

یہ کتاب آپ نے کتنے لوگوں تک پہنچائی ________ ؟

کہاں سے خریدی ہے؟

مکتبہ کا نام ________ شہر ________ ☐ نمائش

کتاب کی کمپوزنگ اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☐ معمولی ☐ بہتر ☐ اعلیٰ

کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☐ سستی ☐ معقول ☐ مہنگی

کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے، ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں کریں؟

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرما دیں۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی

اس پتہ پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی کے پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔ ہمت کیجئے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجئے۔

Bait-ul-Ilm
ST-9E, Block-8, Gulshan-e-Iqbal, Karachi.
Ph: 4976073, Fax: 4976339, E-mail: bit-trust@cyber.net.pk